انوارِ حقیقت

موسوم باسمِ تاریخی

بیاضِ درخشید

۱۹۳۱ء

(آریہ سماج کے نیموں پر پرستدھ آریہ سماجی ودوانوں کے خاص لیکھ اور نظمیں ـــ طالبان حق کیلئے خاص تحفہ)

مؤلفہ و مصنفہ

جناب منشی منوہر لال صاحب طالب بی۔ اے (آنرز) ایل ایل بی وکیل چکوال

بار اول ۲۹ نومبر ۱۹۳۱ء قیمت ۶؍

تحفہ

بنام

ل - ب - م - ک

فہرست مضامین

قطعۂ تاریخ

نتیجۂ فکرِ ممتاز الشعراء جناب خوشتر حیدرآبادی مصنف "انمول محبت" "سنہرا ناول" "خمخانۂ خوشتر" وغیرہ وغیرہ

مشفقی لالہ منوہر لال طالب نے جو آج — دلنشیں مضامین پر لکھی ہے ایک لاثانی کتاب
اس کے ہر اک لفظ میں ہے نجمِ گردوں کی چمک — ہر اصولِ پاک ہے رخشاں بشکلِ آفتاب
عظمتیں دکھلائی ہیں اس میں مقدس وید کی — یا کیا ہے دہر کی کمزوریوں کو بے نقاب
پھر سے دیکر آفتابِ علمِ شرقی کو فروغ — علم کی دنیا میں پیدا کر دیا ہے انقلاب
فلسفہ، منطق، معانی، حکمت و روحانیت — ہیں علوم اسکے ہر اک نکتے میں مضمر بے حساب
فقرہ فقرہ، مصرعہ مصرعہ، لفظ لفظ اور حرف حرف — بے نظیر و بے مثال و انتخاب و لاجواب
یہ چراغِ معرفت ہے جلوہ گاہِ ناز میں — یا کوئی پردہ پوش ہے ڈالے ہوئے رخ پر نقاب
گیان کے دریا میں جب اٹھتے ہیں طوفاں حشر خیز — دل سے مٹ جاتا ہے شک ہو کر بصورتِ نقشِ حباب

فرقِ ہاتف کر کے خم خوشتر نے لکھا سالِ طبع
"ہے کتاب مخزنِ علمِ حقیقت لاجواب"

۵-۱۹۳۶ سمہ = ۱۹۳۱ سمہ

تقریظ

چکیدۂ کلکِ چوہدری ذکاءاللہ صاحب بسملؔ ایم۔اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور
سابق رکن ادارت رسالہ شباب اُردو، و سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور

طالبِؔ شیوہ بیاں کا شعرِ تر — ہے مثیلِ مطلعِ نُورِ سحر
اس سے روشن دیدۂ ارض و سما — اور اُس سے دین و ایماں کی نظر
ماہ صورت آریا مت کے اصول — شعر ہر اک صورتِ قوسِ قمر!
دلربا ہر نکتہ، بندش دلپذیر — شعر شعر اس کا ہے معمورِ اثر
شرح ویدک دھرم کی مطلوب ہے — اور ہے سادہ بیانی پر حصَر
اک قرینہ سے سجایا ہے چمن — پھول پھول اس سے چُنے فردِ بشر
ترکشِ طالبؔ میں ہیں جن کے تیر — یعنی ہے ہر شعر موزوں، کارگر
دین کے اسرار، دُنیا کے رموز — بند کر کے رکھ دیئے ہیں سربسر!

اس پہ صادق آ نہیں سکتی مثال
آپ دھرتی پر نظر آکاس پر

عرضِ حال

یہ ایک کھلا ہوا راز ہے۔ کہ آجکل آریہ سماج کے ممبروں کی اکثریت آریہ سماج کے کام اور اُس کے ادیش میں بہت کم دلچسپی لیتی ہے۔ ہفتہ وار جلسوں اور دھارمک اتسووں کی ناتسلی بخش حاضری اس خیال کو یقین میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اور درد مندوں میں رہ رہ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ "کیا آریہ سماج شتھل ہو رہا ہے؟" اس کا جواب پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعہ ہم سے بہت قابل اشخاص کی طرف سے بارہا دیا جا چکا ہے۔ اس لئے اعادہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن با ایں ہمہ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آریہ سماجیوں کی موجودہ نسل اپنے دھرم سے بہت حد تک ضرورت سے زیادہ لاپرواہ اور ناواقف ہے۔ ہمیں اس سلسلہ میں کوئی طویل سخن جھاڑنا مقصود نہیں۔ البتہ یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ کہ آریہ سماج کے سہائیکوں کو چھوڑ، ممبروں کی بھی بڑی بھاری اکثریت آریہ سماج کے سب نیموں کے مفہوم سے بھی ناواقف ہے۔ ان کا مطلب سمجھنا اور اُن پر عمل پیرا ہونا تو دوسری بات ہے۔ اوسط آریہ سماجی کو یہ دس نیم سُنانے کو کہہ دیجئے۔ لفظ بہ لفظ نہ سہی، ان کا موٹا مطلب ہی سہی۔ نتیجہ ہمارے متذکرہ صدر دعوے کی تائید ہو گا۔

خدا معلوم کیوں ہمارے آریہ سماجی بھائی اس قدر بے توجہی سے کام

لیتے ہیں۔ دُنیا کی کسی سوسائٹی یا جماعت کو دیکھ لیجئے۔ اس کے تکمیل مقاصد
کے لئے مقررہ قواعد ہوں گے۔ جن میں اس کا معراج اور اُس حد تک پہنچنے کا
ذکر ہوگا۔ اور اس مطلب کے لئے اصول قائم کئے گئے ہوں گے۔ اس کے
بغیر دُنیا کی کوئی جماعت سوسائٹی یا مذہب سنسار کی بھلائی تو درکنار کچھ بھی
نہیں کرسکتا۔ بلکہ اگر بنظر غور دیکھا جائے۔ تو قواعد اور ان کی پابندی کے بغیر
کسی سوسائٹی کا عرصہ تک قائم رہنا بھی غیر اغلب ہے۔ اس لئے سوسائٹی
کی اپنی ہستی کے لئے بھی لازم ہے۔ کہ اس کے ممبر اس کے قواعد پر کاربند
رہیں اور سچ تو یہ کہ "سوسائٹی" ممبروں ہی کے مجموعہ کا نام ہے۔ اُس کے قواعد
اُنہیں کی مرضی اور منظوری سے بنتے ہیں اور اس لئے اُن پر ممبران سوسائٹی
کا عمل پیرا ہونا نہ صرف قیام وحصولِ مقاصدِ جماعت کے لئے ازبس ضروری
ہے۔ بلکہ اُن کا اخلاقی فرض بھی ہے۔

قواعد بنانے میں سوسائٹی کے اوّلین یا بانی ممبروں کا ہاتھ ہوتا ہے۔
اس لئے بھی وہ اپنے کئے کے پابند ہوتے ہیں۔ بعد میں جو بھی شخص کسی سوسائٹی
کا ممبر بنتا ہے۔ اس کے اصول اور مقاصد کا اعتراف کرتا اور اُس کے قواعد کا پابند
رہنے کا اقرار کرتا ہے۔ یہ بات ہر ایک جماعت میں ہے۔ ہر ایک سوسائٹی اس نظام
کے تحت چلتی ہے۔ یہی حال آریہ سماج کا ہے جب کوئی شخص آریہ سماج کا ممبر بنتا ہے
وہ اُس کے نیم (دنش اصول) پالن کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ بعد میں اگر وہ ان نیموں
کو سمجھنے میں غفلت یا لاپرواہی سے کام لیتا ہے۔ یا سمجھ کر ان پر عمل پیرا نہیں ہوتا
تو وہ نہ صرف اس سوسائٹی کے لئے موجب تحسین نہیں بنتا۔ بلکہ اپنی اخلاقی گراوٹ

کا بھی ثبوت دیتا ہے۔ اپنے سنجیدہ معاہدہ کو محض تساہل کی وجہ سے توڑ دینا کتنی اخلاقی کمزوری پر دال ہے "پران جائے پر پرن نہ جائی" جن کا اصول ہوتا ہے، جن کو اپنی بات کا پاس ہوتا ہے، جو اپنے قول کے دھنی ہوتے ہیں۔ جو اپنی بات پر پھول چڑھاتے ہیں۔ دنیا اُن کی قدر کرتی ہے۔ عالم روحانیت میں اُن کا ڈنکا بجتا ہے اور وہ اُس سوسائٹی کے لئے کہ جس کے وہ ممبر ہوتے ہیں طاقت اور روشنی کے مینار کا کام دیتے ہیں۔ سوسائٹی اُن کی ذات پر نازاں ہوتی ہے۔ اور بجا طور پر فخر کر سکتی ہے کیونکہ وہ اُس کے آدرش ممبر بن کر اوروں کے واسطے چراغ ہدایت کا کام دیتے ہیں اور سوسائٹی کی تکمیل مقاصد کا بالواسطہ ذریعہ بنتے ہیں۔

آریہ سماج کے دشمن بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ آریہ سماج نے، حال کو چھوڑ دیجئے، ماضی میں تو ہندوستان کے لئے شاندار کام کیا ہے۔ اس کے موجودہ کام کے متعلق مختلف رائیں ہو سکتی ہیں۔ مگر اس کے شاندار ماضی کے متعلق اختلاف رائے کی گنجائش نہیں۔ موجودہ زمانہ انتہائی کشمکش کا زمانہ ہے۔ آریہ سماج جیسی زندگی بخش سوسائٹی کو کہ جس کے احسان کا ہندو سوسائٹی کا بال بال زیر بار ہے، ابھی زندہ رہنا اور بیش از بیش کام کرنا ہے۔ یقیناً آریہ سماج کے ممبر نہیں چاہتے کہ اس جیون داتا "دیکھی" کی طاقت یا رسوخ میں کمی ہو یا اُس کے بھلائی کرنے کی طاقت میں فرق آئے۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ اس کے موجودہ پروگرام، جو اب پایۂ تکمیل کے نزدیک ہے، کے بعد ایک نیا اور اس سے بھی زیادہ شاندار پروگرام مرتب کیا جائے۔ لیکن یاد رہے کہ صرف شاندار پروگرام ہی سوسائٹی کی شان میں میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ اس پر عمل کیا جائیگا۔ تو اس کا پھل پراپت ہوگا۔ اسلئے

پروگرام کی تکمیل میں مستعدی دکھانا ضروری ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ سوسائٹی بدرجہ اتم منتظم ہو۔ اس کے ممبر خاص ترتیب یا نظام میں منسلک ہوں، وہ اپنے فرائض اور سوسائٹی کے قواعد سے کماحقہ واقف اور اُن پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہیں۔ جس سوسائٹی کے ممبر احساس فرائض اور پابندئے قواعد کے زیور سے مزین ہیں۔ اُس کا دُنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سچ ہے :-

قوم کو قوم بنا سکتے ہیں ممبر اُس کے
یہ اگر رہ پر آجائیں تو پھر کیا کہنا

نظر بریں آریہ سماجیوں کو لازم ہے کہ ان دس نیموں پر اپنی موجودہ لاپرواہی کو چھوڑ کر پوری توجہ دیں۔ ان کو سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور پھر دیکھیں کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ ہم بلاخوف تردید یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں۔ کہ ان کے طرز عمل میں یہ تبدیلی رنگ لائے بغیر نہ رہیگی۔ اور اُس کا خوشگوار نتیجہ اُنکے خوشتر ین خواب سے بھی کہیں بڑھ کر خوشگوار ہوگا۔ اس خوشگوار تبدیلی کی خواہش نے ہمیں اُکسایا اور ہم نے اس کام کا بار اپنے کندھوں پر لینا منظور کیا۔ اس میں ہمیں کامیابی ہوئی یا نہیں۔ یہ دیکھنا آپ لوگوں کا کام ہے ہمیں اس سے چنداں سروکار نہیں۔ ہاں، ہمیں یہ محسوس کرتے ہوئے ایک گونہ خوشی، اور شائد ایک حد تک بجا خوشی ہوتی ہے کہ ہم نے اس کام میں وقت، محنت، یا روپیہ صرف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ اور اگر ہماری یہ کوشش آریہ سماج کے حق میں کسی حد تک بھی مفید ثابت ہوئی اور ہمارے نوجوان دوستوں نے اس سے کچھ بھی فائدہ اُٹھایا تو یہ تمام کوشش سپھل تصور ہوگی۔ اور ہم اسے وقت

محنت وغیرہ کا بہترین تصرف سمجھیں گے ۔

ہمارا یقین ہے کہ آریہ سماجی اور غیر آریہ سماجی بھائی ان اوراق سے یکساں طور پر مستفید ہو سکتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ غیر متعصب طالبانِ حق کے لئے یہ چھوٹی سی کتاب بہت مفید ثابت ہوگی ۔

ہمارے پُوجنیہ سیکھکوں نے بھی اس ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر ہماری کمزور آواز پر لبیک کہا ۔ اور اپنی عدیم الفرصتی کو سدِ راہ نہ ہونے دے کر اپنے تازہ قیمتی لیکھ اس پستک میں شائع کرنے کے لئے روانہ فرمائے ۔ ہم اُن کا جتنا بھی دھنباد کریں کم ہے ۔ بعض حضرات نے خاص طور پر ہم معافی کے خواہستگار ہُوں ۔ کہ اُن کے قیمتی لیکھ موصول ہونے کے کافی دیر بعد تک یہ پُستک شائع نہ کی جا سکی ۔ مگر اس کی اصل وجہ بعض "وہ والذین" کی "ناقابل معافی" تاخیر ہے ۔ "ناقابل معافی" اس لئے کہ ان کی اُس "زعم پرستی" کے باعث ہمیں دوسرے مہربانوں سے شرمندہ ہونا پڑا ۔ لیکن اُنہوں نے اپنے وعدوں کو "وعدۂ معشوق" بنا کر ہی چھوڑا اور کئی ماہ کے "اقرار اور ٹال مٹول کے بعد عند الطلب جواب دے دیا" ۔ بہر حال ہم ان "وعدہ شکن کرم فرماؤں" کے بھی ممنون ہیں ۔ کہ انہوں نے ہمیں "درسِ مشکلاتِ تالیف" دے کر سرفراز فرمایا ۔

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ہماری ناچیز کوشش ہمارے رہنماؤں کی توجہ مبذول کرانے میں موثر ثابت ہوئی ۔ چنانچہ اسی سال کے "آریہ گزٹ" کے رشی بودھ نمبر میں "نیموں" پر بالواسطہ یا بلاواسطہ بیش و کم پانچ چھ لیکھ شائع ہوئے ہیں ۔ کیا ہم اسے نیک شگون سمجھنے میں غلطی پر تو نہیں ۔

حضرت خوشتر حیدر آبادی و جناب بسمل ایم اے کا شکریہ ادا نہ کرنا بھی ناسپاسی سے کم نہ ہوگا۔

ان چند سطور کے ساتھ ہم یہ "گلدستہ" ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

ع

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

طالب چکوالی

بی۔ اے ایل ایل بی

مخزنِ علم

سب ست ودیا اور ودیا سے جو پدارتھ جانے جاتے ہیں اُن سب کا آدی مُول پرمیشور ہے (آریہ سماج کا نیم نمبر ۱)

جس طرح ہے نُور کا منبع جہاں میں آفتاب
جس طرح سرچشمۂ حُسن و ضیا ہے ماہتاب

خُنکی و فرحت کا ہے مخزن دمِ آب و ہوا
جس طرح ہے منبعِ اثمار کا رس پر مزا

جیسے پھولوں سے ہے دُنیا میں جہانِ رنگ و بُو
فیضِ آب و باد سے ہوتا ہے گلشن سُرخرو

یہ جہانِ رنگ و بُو، یہ بوستانِ کائنات
روشنی کے دم سے ہیں زینت دہِ باغِ حیات

روشنی سورج کی ہے ساری حرارت کا خُدا
ہے حرارت درحقیقت زندگی کا آسرا

روشنی سے اور گرمی سے ہے جیسے زندگی
جسطرح پانی کی ہے مرہونِ منّت تازگی

اس طرح ہاں جسطرح چشمہ حقیقی علم کا
ہے وہ ذاتِ پاک جسکو کہتے ہیں ہم سب خُدا

معدنِ علم و وہ عالم ہے وہی ذاتِ علیم
آپ ہی سب کچھ سکھاتا ہے ہمیں اپنا کریم

علم سے سینہ ہمارا کرتا ہے پُر نور، وہ
وادیٔ ظُلمت کو کر دیتا ہے کوہِ طُور، وہ

ہوتی ہے علم و ہُنر کی ابتدا اُس ذات سے
یا کہ جو کچھ جانتے ہیں علم کی برکات سے

علم یا ہر علم سے معلوم ہو سکتا ہے جو
اُس کا مخزن تُم خدا یا ایشور کو مان لو

(طالب چکوالی)

آدی مُول پرمیشور

قربانی مجسم شری مہاتما ہنسراج جی پریسیڈینٹ ڈی اے۔ وی کالج مینجنگ کمیٹی لاہور

آریہ سماج کا پہلا نیم یہ ہے کہ سب ست و دیا اور ست و دیا سے جو پدارتھ جانے جاتے ہیں۔ اُن کا آدمی مُول پرمیشور ہے۔ مُنش جاتی ہی کیول ایک ایسی جاتی ہے جس کو وِدیا پراپتی کا ادھیکار ہے اور جس کی طاقتیں اس قسم کی ہیں کہ وہ وِدیا سے لابھ اُٹھا سکے۔ دوسرے پران دھاریوں کا گیان صرف اتنا ہی ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات کو پُورا کر سکیں۔ مگر اُس گیان کو بڑھانے میں وہ بالکل اسمرتھ ہوتے ہیں۔ صرف مُنش ہی گیان شکتی رکھتا ہے اور یہ گیان شکتی اس کو پشُو اور پکشیوں سے تمیز کر کے الگ کرتی ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مُنش جاتی اپنی پیدائش کے وقت بالکل گیان رہت تھی۔ آہستہ آہستہ تجربہ سے وہ اپنا گیان بڑھاتی رہی اور موجودہ علم اُس گیان شکتی کے عمل کا نتیجہ ہے۔ آریہ سماج کا نقطۂ خیال اس سے مختلف ہے۔ شاستروں کا یہ خیال ہے۔ کہ انسان اپنی ودیا تب ہی بڑھا سکتا ہے۔ جب اُن کو شکھشا دی جائے۔ شکھشا کے بغیر کوئی شخص ودیا حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر کسی بچے کو ماتا پتا سے الگ کر کے پالا جائے اور کسی دوسرے شخص کو اُس کے ساتھ بات چیت کرنے یا اُسے شکھشا لینے کی اجازت نہ دی جائے تو وہ بالک نہ زبان سیکھ سکتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی اور علم حاصل کر سکتا ہے۔

جو تجربے دُنیا نے اس پہلو میں کئے ہیں وہ اس سچائی کو نظر کرتے ہیں اگر منش جاتی کو سرشٹی کے شروع میں ودیا کا دان نہ دیا جاتا اور رشیوں کے دوارا اُس ودیا کا پرچار نہ کیا جاتا تو منش جاتی کے لئے ترقی کرنا ناممکن ہوتا۔ جس طرح پرماتما نے سرشٹی بناتے وقت سورج، چاند، وایو، جل آدی پدارتھ منش کی ضروریات پورا کرنے اور اُس کی طاقتوں کو نشو و نما دینے کے لئے پیدا کئے اُسی طرح اُنہوں نے اپنی کرپا سے ویدک گیان بھی خاص شخصوں کو بخشا تا کہ وہ خود اپنے آتما میں پرکاش حاصل کر کے دوسروں کے آتماؤں کو گیان سے پرکاشت کریں۔ یہ سچ ہے کہ اگر منش کے اندر گیان حاصل کرنے کی شکتی نہ ہوتی تو وہ ویدک گیان سے لابھ نہ اُٹھا سکتے پرنتو ویدک گیان کے پرکاش کے بنا منش کی گیان شکتی ہی نِشپھل ہوتی۔ جیسے آنکھ کے بنا سورج دیکھا نہیں جا سکتا مگر سورج کی روشنی کے بغیر آنکھ کی شکتی بھی کسی پدارتھ کو نہیں دیکھ سکتی لیکن یہ پرماتما کی دَیا ہے کہ اُس نے خود منش جاتی کا گورو بن کر اُس کو ویدک گیان کے دان سے اُنّت کیا۔ یوگ شاستر کے کرتا پتنجلی منی کا بھی آشا ہے جب اُنہوں نے یوگ شاستر میں لکھا ہے کہ پرماتما پہلے بزرگوں کے بھی گورو تھے۔ اسی وجہ سے آریہ سماج کے اس پہلے نیم میں مہرشی نے یہ لکھ دیا کہ سب ست ودیاؤں کا آدی مُول پرمیشور ہے۔ اس پہلے نیم کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ ست ودیا سے جو پدارتھ جانے جاتے ہیں اُن کا آدی مُول بھی پرمیشور ہے۔

پدارتھ شبد کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیو اور پرکرتی کے لئے بھی "پدارتھ" شبد برتا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں پر پدارتھ شبد کا یہ ارتھ نہیں۔ کیونکہ جیو اور پرکرتی کا آدی مُول پرمیشور نہیں ہے یہ دو تو پدارتھ انادی ہیں اور کسی کے بنائے ہوئے ہیں "پدارتھ"

شبد اُن سب چیزوں کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جو پرکرتی سے بنتی ہیں خواہ اُن کے بنانے میں انسان کا ہاتھ ہو یا نہ ہو۔ شاستروں میں پدارتھ شبد بہت جگہ ان ہی معنوں میں لیا گیا ہے۔ جو چیزیں اس سنسار میں ہمیں پرتیت ہوتی ہیں وہ پرکرتی سے بنی ہوئی ہیں۔ اور اُن کے بنانے میں پرماتما کا ہاتھ ہے۔ اگر پرماتما کی رچنا شکتی کام نہ کرتی تو پرتھوی، جل، اگنی، آکاش، وایو پرگٹ نہ ہوتے اور نہ ہی رنگا رنگ کی سرشٹی جو اُن سے بنی ہے، ہمیں نظر آتی۔ یہ سب پدارتھ پرماتما کی شکتی کا ظہور ہیں۔

جیو کے رچے ہوئے پدارتھ بھی اس رچنا شکتی کے کارن ہی بنے ہیں جو پرماتما نے جیو کو پردان کی ہے۔ اور اسی لئے ان پدارتھوں کا بنانے والا بھی حقیقت میں پرماتما ہی ہے۔ مہرشی نے یہ لکھا ہے کہ ست ودیا سے جو پدارتھ جانے جاتے ہیں اُن کا آدی مُول پرمیشور ہے۔ اس آدی مُول کے بنا سرشٹی کا برکھش پیدا ہی نہ ہوتا باوجود اس کے پرکرتی موجود تھی اور جیو بھی تھے اور اس لئے وہ سب رچے ہوئے پدارتھوں کا آدی مُول ہے۔ یہ سب سرشٹی جو ست ودیا کا وشے ہے اُس کا بنانے والا کیول پرماتما ہی ہے۔

اس نیم میں ” پدارتھ “ شبد رکھنے میں ایک اور بھی خصوصیت ہے۔ سب ست ودیا دید ہے اور وید کے شبد اُن کے ارتھ اور اُن کا سمبندھ نیت ہے۔ نہ یہ کہ پرماتما نے کیول گیان دان کیا اور اُس گیان کے شبدوں کی رچنا کسی منشی کی بنائی ہوئی ہے بلکہ اس نیم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ویدوں کے شبد ارتھ اور گیان کا بھی آدی مُول پرمیشور ہے ✢

میرا خُدا

(۲) ایشور، سچدانند سروپ، نراکار، سرو شکتیمان، نیا کاری، دیالو، اجنما، نروکار، انادی، انوپم، سرو آدھار، سرو ایشور، سرو ویاپک، سرو انتریامی، اجر، امر، ابھے، نت، پوتر اور سرشٹی کرتا ہے۔ اُسی کی اُپاسنا کرنی یوگیہ ہے (آریہ سماج کا نیم ۲)

ہستیٔ مطلق ہے وہ کہتے ہیں جسکو ایشور — راحتِ ابدی ہے وہ اُسپر فنا کا کیا اثر
شکل اور صورت کی زنجیریں نہیں اُس کیلئے — مندر اور مُورت کی تدبیریں نہیں اُس کیلئے
ہر جگہ موجود ہے وہ سرو شکتیمان ہے — ہے اُسے معلوم سب کچھ سب کا اسکو دھیان ہے
عادلوں کا ہے وہ عادل رحم کا ہے دیوتا — گورے اور کالے کو ہے وہ اک نظر سے دیکھتا
وہ کبھی پیدا نہیں ہوتا، کبھی مرتا نہیں — ابتدا اُسکی نہیں اور انتہا اُس کی نہیں
اُس کا ماضی، اُسکا مستقبل ہے، اُسکا حال ہے — ایک صورت، ایک رس تھا وہ تینوں کال ہے
ذرے ذرے میں سمائی ہے وہی ذاتِ لطیف — پتے پتے میں دکھائی ہے وُہی ذاتِ لطیف
باعثِ تخلیقِ عالم، مالکِ ہر دو سرا — بے سرو سایہ ہیں بندے، وہ ہے سب کا آسرا
اُس سے خائف ہیں ملائک اور شیطان ایک سے — جل کے گر پڑتے ہیں اُسکے نام سے پر خوف کے
جب نہ تھا کچھ بھی، تو اُسکا جلوۂ انوار تھا — جب نہ کچھ ہوگا، تو وہ ہوگا جو ہے قایم سدا

ہے وہی میرا خدا، ہاں ہے وہی میرا خُدا
پُوجنے کے ہے وہ لائق جسکو ہوں میں پُوجتا

(طالب چکوالی)

پرمیشور — ہمارا عقیدہ

(شری سوامی چتر گپت جی مہاراج)

آریہ سماج کے دس نیم منو مہاراج کے دس نیموں کا خلاصہ ہیں یا پراچین زمانہ کے یوگیشوروں اور تپیشوروں کے یموں اور نیموں کا چربہ اس مختصر سے لیکھ میں ہمیں اس پر وچار نہیں کرنا ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہیں، جہاں کہیں بھی یہ بیج رُوپ میں موجود ہیں۔ آریہ سماجیوں کے لئے مانیہ ہیں اور سب کا فرض ہے کہ اُن کا پالن کریں۔

آریہ سماج کے نیم یا تو "سدھانت" یعنی وشواس یا عقیدہ سے متعلق ہیں یا آچار یا ادویش سے۔ ہاں بعض ایسے نیم بھی ہیں جو نصف "اچار" اور نصف "سدھانت" کے ہیں۔ مثلاً نیم نمبر ۳ کا پہلا حصہ "سدھانت" اور دوسرا "اچار" سے تعلق رکھتا ہے مگر نیم نمبر ۲ خالص "سدھانت" ہے اور نہایت ضروری بھی۔ چنانچہ پہلے نیم میں کہا گیا ہے۔ کہ سب ست وِدیا اور ست ودیا سے جو بھی پدارتھ جانے جا سکتے ہیں اُن کا آدی مُول پرمیشور ہے۔ یعنی پرمیشور ایک ایسی شکتی ہے جو سب پدارتھوں اور ست ودیا کا آدی مُول ہے۔ یہ آریہ کا سدھانت ہے، وشواش ہے، عقیدہ ہے۔

دوسرے نیم میں اس مہا شکتی جسے "پرمیشور" کہا گیا ہے کا ورنن ہے اور ایسا ہونا نہایت ضروری تھا کیونکہ اس "وَیکتی" جس کو آدی مُول مانا گیا ہے کی تشریح کرنا نہ مناسب تھا۔ بلکہ نہایت ضروری بھی تھا۔ اس لئے اس نیم میں "پرمیشور" کے خیال

کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یُوں تو پرماتما کے ایک ننو سے زیادہ صفاتی نام ہیں۔ لیکن اُن سب کا ورنن اس نیم میں کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے چند ضروری اور موٹے موٹے صفاتی نام دے کر پرمیشور کی کیفیت سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور چونکہ اگر ایک ہی نام کی تشریح کی جائے تو یہ بحث کافی سے زیادہ جگہ لے لے گا۔ اس لئے اس ویاکھیا کی حدود سے باہر نہ جاتے ہوئے ہم مختصر الفاظ میں نہایت اختصار سے ان صفات کے متعلق چند شبد کہیں گے ۔

۱ وہ سچدانند (عین الحق، علیم، عین سرور) ہے :-

ست = ماضی حال اور مستقبل میں یکساں رہنے والا۔
چت - یعنی عقل یا تمیز حق و باطل ۔
آنند - راحت دینے والا۔ یعنی وہ زمانہ (ماضی، حال، مستقبل) کی قید سے آزاد، عقل اور راحت مجسم، اور دُنیا کے لئے تمیز حق و باطل اور راحت کا سرچشمہ ہے ۔

۲ وہ نراکار ہے :- غیر محدود ہے، اس کا کوئی جسم نہیں اس لئے شکل اور حجم کی قید سے آزاد ہے اور اسلئے علالت اور صحت کی تشویش سے بالاتر

۳ وہ سروشکتیمان ہے :- قادر مطلق ہے اسمیں کامل طاقتیں موجود ہیں وہ کسی کام میں کسی کی امداد کا حاجتمند نہیں وہ سب کی امداد سے بے نیاز ہے اور سب کچھ کرنے

کی شکتی رکھتا ہے۔

۴ وہ نیائے کاری ہے :- وہ عادل ہے، انصاف کرتا ہے۔ منصف ہے
کسی کی رُو رعایت نہیں کرتا۔ نہ ہی کسی کی سفارش
یا شفاعت پر کان دھرتا ہے اس کے میزانِ عدل
میں بال بھر کا بھی فرق نہیں آسکتا۔ وہ بلا تمیز
مذہب و ملت۔ بے کام دکاست سب سے
یکساں ازلی انصاف کے مطابق برتتا ہے۔

۵ وہ دیالو ہے :- وہ رحیم ہے، ظالم نہیں۔ رحمدل ہے۔ دکھیوں اور
مظلوموں پر دیا کرتا ہے۔

۶ وہ اجنما ہے :- کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ رہنے والا
ہے۔ اس لئے وہ جنم (تولید) سے آزاد ہے۔

۷ وہ اننت ہے :- لا انتہا ہے۔ اُس کی ابتدا نہیں اُسکی انتہا نہیں۔

۸ وہ نروکار ہے :- وہ ہمہ تن صفات ہے۔ عیوب سے پاک ہے۔

۹ وہ انادی ہے :- ازلی ہے۔ چونکہ پرمیشور کی "علت" کوئی نہیں
بلکہ وہ سب گیان اور گیان سے جو بھی پدارتھ
جانے جاتے ہیں سب کی علت اولے ہے۔
اس لئے اُسے انادی کہا ہے۔

۱۰ وہ انوپم ہے :- وہ بغیر شکل کے ہے اُس کو کسی خاص شکل کی
ضرورت نہیں۔ لامثال لاثانی۔

۱۱ وہ سروآدھار ہے :- سب کا سہارا ہے ۔

۱۲ وہ سرویشور ہے :- قدرت والے کو "ایشور" کہتے ہیں۔ وہ سب کا ایشور ہے یعنی رب الارباب ہے۔

۱۳ وہ سروویاپک ہے :- ہر ایک جگہ حاضر و ناظر ہے کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں وہ نہ ہو۔

۱۴ وہ سروانتریامی ہے :- سب کا رازدان ہے، سب کے دل کا بھید جاننے والا ہے۔

۱۵ وہ اجر ہے :- اُس کو کبھی زوال نہیں ہوتا کیونکہ اس کی ابتدا اور انتہا کوئی نہیں اور وہ تینوں کال ماضی، حال، مستقبل میں ایک سا رہتا ہے۔ اسلئے اس کو زوال ہو ہی نہیں سکتا۔

۱۶ وہ اَمر ہے :- غیر فانی ہے۔ فنا کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نہیں ہوا۔ نہیں ہوگا،

۱۷ وہ ابھے ہے :- بے خوف ہے۔ اس کا خوف گنہگاروں کو ہونا لازم ہے مگر اُس کو خوف کس کا ہوگا۔

۱۸ وہ نت ہے :- ابدی ہے۔ لاانتہا ہے اور ابتدا سے ناواقف ہے

۱۹ وہ پوتر ہے :- پاک، شدّھ، صاف ہے۔

۲۰ وہ سرشٹی کرتا ہے :- اس دُنیا کا خالق ہے اسکا بنانیوالا پرمیشور ہے جس کی مہما اور ورنن کی گئی ہے۔

آریہ سماج کے عقیدہ کے مطابق ایشور مندرجہ صدر صفات سے موصوف ہے اسلیئے ہمہ صفت موصوف پرمیشور کی عبادت کرنا واجب ہے یہی اصول آریہ سماج کو توحید پرست مذاہب کی صف میں اوّل نمبر پر کھڑا کرتا ہے اِس اُصول کے ماننے والے بھلا کسی دیوی، دیوتا، پیر، پیغمبر یا "چھوٹے موٹے خدا" کے معتقد کیسے ہو سکتے ہیں بُت پرستی تو اس اُصول کے قائل کے پاس تک نہیں پھٹکتی۔ بھلا سرو شکتیمان ہونا تو دُور کی بات ہے۔ بُت (مورتی) تو ایک ہی وقت ایک سے زیادہ جگہ پر موجود ہو ہی نہیں سکتی۔ نہ ہی وہ غیر محدود یا "انوپم" ہو سکتی ہے۔ آج دُنیا بھر کے توحید پرست اسی اصول کی شرن میں آ رہے ہیں مُنہ سے کوئی مانے یا نہ مانے مگر اس حقیقت سے کسی حق بین و حق گو شخص کو اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آج ہمارے سناتن دھرمی بھائی بھی مورتی پوجا کے متعلق وہ وچار نہیں رکھتے جو مہرشی سوامی دیانند جی سرسوتی کے پرچار سے پہلے رکھتے تھے۔ انکو بھی اس اصول کی روشنی میں اپنے پُرانے عقائد پر نظر ثانی کرنا ہی پڑی ہے ہم اس موقعہ پر اس بحث میں پڑنا فضول سمجھتے ہیں کہ آیا ایشور ساکار بھی ہوتا ہے یا نراکار ہی رہتا ہے کیونکہ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہم مانتے ہیں وہ نراکار ہے اور اُسکی دیگر صفات اُسے ساکار ہونے کی ضرورت سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ اسمیں کلام نہیں کہ نراکار بہ نسبت ساکار بہت طاقتور ہوتا ہے جو کام وہ نراکار رہتے ہوئے بھی کر سکتا ہے بھلا وہ کر انکو ساکار بننے کی تکلیف کیوں کریگا۔

آتما اور پرماتما کا بھید کسی لمبی بحث کا محتاج نہیں نہ ہی ہر دست ویدانت کا مسئلہ زیر غور ہے۔

چونکہ عابد اور معبود میں گہرا تعلق ہوتا ہے اور عابد میں معبود کی بہت سی صفات خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں یہ عبادت یا عشق کا کرشمہ ہے جسے آپ محبت کرینگے یقیناً اُسکی بعض صفات جو آپکو بھلی معلوم ہوتی ہیں اور آپکو محبت کرنے پر مجبور کرتی ہیں انکو آپ دھارن کرنیکی کوشش کرینگے اور یہ کوشش کسی خاص تکلیف یا تکلف کے بغیر ہی آپ میں آنا شروع ہو جائینگی

آریہ سماج کے حلقہ میں داخل ہو کر آپ اُس ہمہ صفت موصوف سے اپنا روحانی تعلق قائم کرتے ہیں اور اپنے آپکو اسکے پریم کے پاتر بنانے کیلئے اُس جیسی صفات پیدا کرنا ضروری سمجھتے ہیں یہ وہ صفات ہیں جو خاص ایشور کی ذات سے مخصوص نہیں دمرو یا پک وغیرہ اور جو کسی انسان کو نصیب نہیں ہو سکتیں۔ کم سے کم یہ جسمانی چولا رکھتے ہوئے تو۔

ہمارے خیال میں آریہ سماج کی روحانی ترقی کا راز اسی اصول کی تہ میں نہاں ہے ٭

ویدپاک

۳ وید ستیہ ودیاؤں کا پُستک ہے۔ وید کا پڑھنا، پڑھانا، سُننا، سُنانا سب آریوں کا پرم دھرم ہے (آریہ سماج کا نیم نمبر ۳)

تجھے ہے تلاشِ حقیقت اگر — تو ہر روز تو وید کا پاٹھ کر
اگر تجکو حق کی ہے کچھ جستجو — تو پڑھتا نہیں وید کیوں نیک خو
رہِ حق سے گمرہ نہ ہوگا کبھی — تری وید سے ہو اگر دوستی
زمانہ کرے لاکھ کوشش، مگر — نہ تجھ پر کوئی اس کا ہوگا اثر
رموزِ طریقت کا معدن ہے یہ — علوم حقیقت کا مخزن ہے یہ
جو پُوچھوگے اس سے بتائیگا یہ — جو شک ہوگا دل میں مٹائیگا یہ
رہِ حق کا واحد یہ ہے رہنما — مذاہب کی ظلمت میں روشن دیا
قلم بے زباں ہے، تو قاصر زباں — بیاں کیسے ہوں وید کی خوبیاں
نہیں وید، ودیا کا بھنڈار ہے — علومِ حقیقی کا سردار ہے
ترا فرض پڑھنا پڑھانا اُسے — ترا فرض سُننا سُنانا اُسے

کرے فرض جو لاغرض تُو ادا
تجھے بیخودی میں ملے گا خدا

(طالب چکوالی)

ہمارا پرم دھرم

ہندوستان کے مایۂ ناز فلاسفر شری لالہ دیوانچند جی ایم۔اے پرنسپل دیانند کالج کانپور)

میری حیوانی زندگی کا مدار اُس جدوجہد پر ہے جو میں اپنے آپ کو حالات کے مطابق بنانے میں لگاتار کرتا ہوں۔ ساماجک زندگی میں۔ مَیں کیول اُن تعلقات کا مجموعہ یا بنڈل Bundle ہُوں جو مجھے دوسرے انسانوں کیساتھ والبطہ کرتے ہیں۔ میری روحانی زندگی اُس سمبندھ کا نام ہے جو مَیں اپنے پرماتما کے ساتھ قائم کرتا ہوں۔

میری زندگی کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ

(ا) میں اپنے آپ کو بیرونی دُنیا کے مطابق بناؤں یا اُسے اپنی ضرورت کے مطابق بنالوں۔

(ب) میں دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر کام کر سکوں۔

(ج) میں پرماتما کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کر سکوں یہ کامیابی مجھے اُس حالت میں ہو سکتی ہے جب کہ مَیں دُنیا، انسانی آتما، اور پرماتما کی ماہیت کو سمجھوں۔ اُنہیں سمجھے بغیر اُن کے ساتھ تعلق کیا قائم کر سکتا ہوں۔ سرشٹی، آتما اور پرماتما کی حقیقت ہی ست ودیا ہے۔ وید میں یہ ودیا ہے۔ وید اپرا ودیا اور پرا ودیا کی کان ہے۔ وید سے ہم سرشٹی آتما اور پرماتما کی ماہیت کو جان سکتے ہیں *

زندگی کی کامیابی جسے موکش بھی کہتے ہیں۔ انسان کا آخری آدرش ہے جو کچھ اس آدرش تک لے جاتا ہے وہ دھرم ہے۔ اہنسا دھرم ہے۔ ستیہ دھرم ہے۔ صفائی دھرم ہے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر ان سب کی بنیاد پرم دھرم کیا ہے؟ آریوں کے لئے یہ پرم دھرم وید پرم دھرم وید گیان اور وید پرچار ہے وید کا پاٹھ ہمیں اپنے دھرموں کا گیان دیتا ہے۔ جو خود وید نہیں پڑھ سکتا اُس کا دھرم ہے کہ وید سُنے۔ جس نے وید پڑھا ہے اور پڑھانے کا موقعہ اُسے ملتا ہے اس کا پرم دھرم ہے کہ اس روشنی کو دوسروں تک پہنچاوے جو پڑھا نہیں سکتا وہ جہاں اور جب کبھی وید اُپدیش سُنا سکتا ہے، سنائے جو وید پڑھ سکتے ہے پڑھے۔ جو نہیں پڑھ سکتا وہ سُنے۔ وید کا سُننا اور پڑھنا ہی وید پرچار کے سادھن ہیں۔ جو شخص وید سننے کے لئے سماج مندر میں جاتا ہے وہ سماج کو وید سنانے پر مجبور کرتا ہے۔ جو شخص وید پڑھتا ہے وہ وید شائع کرنے والوں یا وید پر لکھنے والوں کی مدد کرتا ہے۔

آریہ سماج کو سوامی جی نے مشنری سنگھٹا دی تھی جس کا ہر ایک ممبر وید سُنا کر یا پڑھا کر، سُن کر یا پڑھ کر ایک طرح یا دوسری طرح وید پرچار کا کام کرے۔ آریہ سماج نے وہ اُمیدیں جو سوامی دیانند کے دل میں تھیں، پُوری نہیں کیں۔ اسلام اور عیسائیت محض مشنری کوشش کی وجہ سے پھیل رہے ہیں۔ بُودھ دھرم کا وستار اس کے پرچار کا نتیجہ ہے۔ آریہ سماجیوں کی اُنتی کے لئے مُکھ سادھن تو یہی ہے کہ اس پرم دھرم کو پالنا شروع کر دیں۔ اگر اس پرم دھرم سے بے پرواہ ہو گئے تو چھوٹے چھوٹے دھرموں کو پالن کرنے سے بھی کیا بنیگا۔

تلاشِ حق

(٤٣)

ست کے گرہن کرنے اور است کو چھوڑنے میں سروَدا اُدیت رہنا چاہئے (آریہ سماج کا نیم نمبر ۴)

سورج کبھی چلتا نہیں دریا کبھی تھمتا نہیں پارہ کبھی جمتا نہیں
عاشق کبھی تھکتا نہیں

اُسکو ہے ہر دم جُستجُو وہ ڈھونڈتا ہے چارسُو دلبر کی ہے بس، آرزو
دلدار کیوں ملتا نہیں

جُوں کاہ کو ہے کہرُبا سینے سے لے لیتی لگا ہونے نہیں دیتی جُدا
وہ بھی جُدا ہوتا نہیں

جذبِ حقیقی کو، بتا پھر خضر کی حاجت ہے کیا؟ ہے شوق جس کا رہنما
وہ فیل ہو سکتا نہیں

خوشبُو کی عاشق ہے ہوَا پھرتی ہے در در بر ملا عاشق کو ہے سب کچھ روَا
بے جا اُسے بے جا نہیں

ایسے ہی طالب حق کا بھی رکھتا ہے حق سے دوستی وہ دوستی ہے عاشقی
عاشق سے کم رُتبہ نہیں

ہر اک کو لازم ہے یہی ہر دم تلاشِ راستی ہو مُدعائے زندگی
اس سے کوئی اعلیٰ نہیں

رل جائے ہیرا آپ کو اور وہ پڑا کیچڑ میں ہو لو گے نہیں لو گے، کہو
ہے کون جو لیتا نہیں

حق ہی سے ہے شانِ بشر حق ہی ترے غم کی سحر حق کے لئے سینہ سپر
تو کس لئے کرتا نہیں

ناحق کو طالب چھوڑ دے اس راہ سے مُنہ موڑ لے بس اس سے رشتہ توڑ لے
حقدار کیوں بنتا نہیں

ہو کر رہے ست کا اگر چھوڑے اَست کو سر بسر انسان بن جائے بشر
کیا جانے کیوں بنتا نہیں

(طالب چکوالی)

ستیہ اور استیہ

پرسدّھ وِدوان شری سوامی سروَدانند جی مہاراج

इदमहमनृतात्सत्यमुपैमी

جیوآتما کمزوری کو محسوس کرتا ہوا پرمیشور سے یہ پرارتھنا کرتا ہے کہ مجھے آپ کی سہاتیا اور کرپا سے اس کوشش میں کامیابی حاصل ہو کہ میں استیہ سے علیحدہ ہو کر ستیہ کو اختیار کروں زندگی اور موت کا جو سلسلہ ہے یہ علم معکوس یعنی مِتھیا گیان کے تابع ہے اس کا ہی نام سنسار ہے اس لئے اس کو شاستروں میں مِتھیا - انتیہ - استیہ کہا ہے اور نجات سنسار کے بندھن سے علیحدہ ہو کر سچا اتند جو ست مطلق - سرور مطلق - اور شعورِ مطلق ہے جسمیں کبھی بھی تبدیلی نہیں ہوتی جس کا کل نظام عالم پر قابو ہے - جو بیمثال بےنہایت کمال کا ہے - جس کی علیحدگی، دوری سے جنم مرن کا جال انسان کو بیحال کر رہا ہے اور جسکی نزدیکی، حضوری انسان کو نہال اور خوشحال بنا دیتی ہے - میں اُس کو حاصل کروں -

از خیالِ ذرّہ چوں ذرہ گذشت از خودی بیخود شد و باخود نشست
بیچگوں بےچوں تو ہستی بےنشاں وارہیدہ زیر و بالا در میاں

सत्यं वदिष्यामि तन्मामवतु

(۲) جیوآتما کی یہ پرتگیا ہے کہ اے پرمیشور اگر میں راہ راست پر چلوں اور ستیہ بھاشن کروں تو آپ میری رکھشا کریں - جو انسان انسانوں کے سامنے وعدہ کر کے اُس کے

خلاف برتاؤ کرتا ہے تو وہ ذلیل وخوار اور شرمسار ہوتا ہے تو پھر پرماتما کے سامنے پرتگیا کر کے جو اس کو بھنگ کر دے وہ عزت و راحت کا حقدار کیسے ہو سکتا ہے۔ ستّیہ سے کبھی بھی علیحدہ نہ ہونا ہی پرتگیا کی رکھشا کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پرماتما اس کا رکھشک ہو جائے گا۔ یہ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے ؎

جو تو اُس کا ہو رہے سب جگ تیرا ہو

اب دھاتو کے اُونتیس ارتھ ہیں۔ جب منش پربھو کی آگیا پالن سے اُس کی رکھشا کا پاتر بن جاتا ہے تو اُس کے انتھ کرن کی پرورتی اس پرکار کی ہو جاتی ہے۔

(۱) ودیا سے اس کو پریم ہوتا ہے۔

(۲) ودوانوں کی عزت کا ادھیکاری ہو جاتا ہے۔

(۳) دوسروں کو نیک صلاح دیتا ہے۔

(۴) پرائی ماتر سے اس کا پریم یعنی پیار ہو جاتا ہے۔

(۵) دھن کو نیک نیتی سے کماتا اور اس کی حفاظت کیلئے بل کو بڑھاتا اور اُس کو پرتیک کاموں میں لگاتا ہے۔

(۶) پیدا شدہ اشیا کو فنا لازم ہے اس اُصول کو صحیح جان کر موت سے نہ گھبراتا اور نہ کبھی خوف کھاتا ہے۔

(۷) پرماتما کی یاد میں مشغول رہنا اُسکی زندگی کا اُصول بن جاتا ہے۔

(۸) جو پرمیشور سے اپنے لئے چاہتا ہے غیروں کے لئے بھی اُس کو چاہتا ہے۔

(۹) جس پر اس کا قابو نہ ہو اس کو کبھی بھی زبان سے ادا نہیں کرتا

(۱۰) وہ انسان ہو کر انسانیت کے کام کرتا ہے۔

(۱۱) نیک کام کر کے اُسکو کبھی بھی ابھیمان نہیں ہوتا۔

(۱۲) انسان کو بھول کرنے کی عادت ہے اگر بھول سے کوئی انوچت کام ہو جائے تو وہ گلانی اور پشچاتاپ کرتا ہے۔

(۱۳) دوسروں کی اونتی دیکھ کر اسکی طبیعت میں خوشی ہوتی ہے اور تکلیف زدہ کو دیکھ کر اس سے درد دور کرنے میں اُس کی منو برتی ہسپسی ہوتی ہے۔

(۱۴) اُسکو آتم شلاگھا کا کبھی دھیان نہیں ہوتا اسکو اپنے عروج پر کبھی ابھیمان نہیں ہوتا۔

(۱۵) سیوا، بھاؤ کرنے میں ہمیشہ کمربستہ رہتا ہے۔

ستیہ کے بھاشن کی جو آتما کی پرتگیا ہے۔ اس کے پالن کرنیکا پھل ہے جو اوپر لکھا گیا ہے!

بھلائی کر بدی سے باز آ، پرہیزگاری کر جہاں تک بن سکے تو خلق کی خدمتگزاری کر
بھلائی گر کریگا تو تو وہ تجھ کو ثمر دے گا وہی دامن ترا امید کے پھولوں سے بھر دیگا

"श्रद्धां सत्ये दधात प्रजापतिः"

(۱۶) یہ پرمیشور کی آگیا ہے کہ انسان کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ ستیہ پر شردھا اور وشواش رکھے دُنیا کا ہر قسم کا سکھ اور آرام اس ہی اصول کے زیر اثر ہے۔ جو سکھ کے ابھلاشی اور متلاشی ہوں وہ اس نیم کا پالن کریں سوامی کی آگیا کو توڑ کر سیوک کو کبھی بھی آرام نہیں ہوا سب کے سوامی انتریامی پرمیشور کی آگیا بھنگ کرنے کے کو راحت ہو سکتی ہے۔ یہ نیم سورج کی طرح چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے کہ جس منش یہ پر سماج کا وشواس ہوتا ہے دُنیا کا جھکاؤ اُسی طرف ہو جاتا ہے دُنیا کا کُل کاروبار وشواس ہی پر قائم ہے اور جسکا اعتبار اُٹھ جاتا ہے اُسکا سب کاروبار بگڑ جاتا ہے جب وشواس کی عمارت ستیہ کی بنیاد پر ہی قائم ہے تو ستیہ کے پالن کرنے سے ہی انسان معتبر بن سکتا ہے اور کوئی اوپائے نہیں ہے۔ سچائی سے منشوں میں اتفاق پیدا ہوتا ہے اور جھوٹ سے نفاق بڑھ جاتا ہے اتفاق سمپت کا خزانہ ہے اور نفاق بدبختی کا مخزن ستیہ بیج ہے دنیاوی سکھ اور موکش کا جھوٹ کارن لوگک دکھ اور بندھن

جھوٹ مت بول سچ کہہ جس سے ہو تیرا اعتبار سچ بھی جھوٹا گر کہے کوئی نہ مانے نہ نہار
کذب گو کا سچ بھی تو باور نہ ہو انسان کو درد سے زاری کرے نقال کیوں باور نہ ہو

اسلئے رشی نے سچ کہا ہے کہ ہمیشہ ستیہ کے گرہن کرنے اور اسَتیہ کے چھوڑنے میں کمربستہ رہو۔

راہِ پُر خطر

(۵)

سب کام دھرمانوسار، ارتھات ست اور است کو وچار کر کرنے چاہئیں (آریہ سماج کا نیم نمبر ۵)

تمام کاروبار میں دھرم پہ ہی نظر رہے
دُرست نادُرست کا دھرم پہ ہی حصَر رہے

قدم نہ ڈگمگانے پائے راہِ حق سے بھُول کر
یہ راستہ ہے پُر خطر، خبر رہے۔ خبر رہے!

تلاشِ گُل میں جو رہے اکڑ کے باغِ دہر میں
تمام عمر سرو کی طرح سے بے ثمر رہے

تلاشِ حق کی ہو اگر کسی کے دل میں جُستجو
تو بن کے اس جہان میں وہ خاکِ رہگذر رہے

گو خاکِ رہگذر کو سب ہی روندتے ہیں زیرِ پا
مگر وہ یُوں رہے کہ خاک سے بھی ہیچ تر رہے

ہر اک قدم پہ مشکلوں سے واسطہ ہے بندہ اُسے
تو سہل ہوں یہ مُشکلیں، دھرم پہ وہ اگر رہے

نہ کش مکش ہے کش مکش، نہ زندگی وبالِ جاں
نہ آدمی کو کچھ اگر خیالِ سیم و زر رہے

نہ تلخ حق ہو کچھ، ہو گر مآل پہ تری نظر
جفا کشی ہو غم رُبا، نگہ میں جو ثمر رہے

تمیزِ باطل اور حق، ہو شغل اک لطیف سا
دھرم کے حکم سے کوئی اگر نہ بے خبر رہے

خوشامدیں بشر کی کیا، خوشامدیں خُدا کی کر
ہے کم خُدا سے حق پرست کیا جو حق نگر رہے؟

دھرم ہو رہنما اگر ہر ایک کام میں ترا
تو تجھ سے حق پرست کو نہ پھر کسی کا ڈر رہے!

(طالب چکوالی)

طریق کار

مشہور لیکچرار شری مہتہ رام چندجی شاستری مہوا پدیشک آریہ پرتی ندھی سبھا لاہور

اچھیا اور پریتن جیو کے سبھاوک گُن ہیں یعنی ہر اک جیو چھوٹا ہو یا بڑا ۔ کسی دیش یا جاتی کا کیوں نہ ہو ۔ اپنے اندر اچھیائیں رکھتا ہے ۔ اور اپنی اچھیا پورتی کے لئے یتھا شکتی کوشش کرتا ہے ۔ اُس کی یہ کوشش ہی اُس کا "فعل یا کرم" کہلاتا ہے ۔ ہر ایک دیہ دھاری کرم کرنے کے لئے مجبور ہے ۔ کیونکہ بنا کرم اُس کی جیون یاترا نہیں چل سکتی مگر کرم اور اکرم کی تمیز سوائے منش یونی کے اور کوئی پرانی نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ منش کے لفظی معنی ہی سوچ سمجھ کر کام کرنے والے پرانی کے ہیں ۔ ایک پشو اپنی بھوک مٹانے کے لئے ایک بات جانتا ہے کہ جب کبھی، جہاں کہیں، جس کسی کی جو کچھ بھی کھانے کی چیز ملے اُس کو کھا لے اگر کوئی ڈنڈا دکھائے تو بھاگ جائے ۔ لیکن منش جیون میں ایسا نہیں ۔ دو دن کا بھوکا انسان اگر کسی ایسے مقام پر پہنچ جائے ۔ جہاں سُندر خوش ذائقہ بھوجن رکھا ہو اور کوئی بھی انسان پاس موجود نہ ہو ۔ تو اس میں شک نہیں کہ اُس کو کھانے کی ابھلاشا ہو گی مگر اُس کے ساتھ ہی اُس کے دل میں قدرتی طور پر

کچھ سوالات پیدا ہوں گے ۔ وہ سوچے گا کہ یہ کس کا ہے؟ یہاں کیوں رکھا ہے؟ مجھے کھانا چاہیئے یا نہیں؟ اگر کھاؤں گا تو کوئی پکڑ تو نہ لے گا؟ وغیرہ وغیرہ کیونکہ وہ منش ہے ۔ آریہ دھرم کے مطابق منش کا یہ کرم تو یہ ہے کہ وہ ہر ایک کام کرنے سے پہلے دھرم، ادھرم ۔ پاپ، پن ۔ ہت یا اہت کا بچار کر کے کرے یا نہ کرے ۔ جو انسان بغیر اس بچار کے اندھ وشواس سے اپنی پیٹ پوجا کے لئے ہی کرم کرتا ہے اُس میں اور جانوروں میں فرق نہیں ۔

وید بتلاتا ہے کہ بچار شیل منش کے لئے یہ بات سمجھنی آسان ہو جاتی ہے کہ ہر ایک اچھیا کی پورتی کے لئے سنسار میں دو متضاد راستے ہوتے ہیں :-

ایک سچا یا سیدھا، دوسرا جھوٹا یا ٹیڑھا ۔ ان میں جو سچے اور سرل مارگ پر چلتا ہے وہ پھلتا پھولتا ہے اور پرمیشور اُسی کی رکھشا کرتا ہے ۔ اور جو جھوٹے اور ٹیڑھے مارگ پر چلتا ہے وہ نشٹ ہو جاتا ہے (رگ ۷ ۔ ۱۰۴ ۔ ۱۲)

مثال کے طور پر ایک منش یہ چاہتا ہے کہ میں دھن پتی بنوں ۔ دھنوان ہونا پاپ نہیں بلکہ منش جنم کے چار پدارتھوں میں سے ایک ہے ۔ لیکن اس اچھا پورتی کے لئے ایک راستہ یہ ہے ۔ کہ وہ کھیتی باڑی کرے، بیوپار کرے، نوکری کرے اور دھن کمائے ۔ اور دوسرا مارگ یہ ہے کہ دن بھر جوئے کھیلے یا ٹانگیں پسار کر سو جائے اور رات کو کسی کا تالا توڑ کر دھن دھرائی اُٹھا لائے اور اس میں پہلا راستہ سچا ہے اور دوسرا جھوٹا ۔

ایک نوجوان اپنی کام واسنا کو پورا کرنا چاہتا ہے وہ نیم کے مطابق کسی یوگیہ کنیا کی تلاش کرتا ہے اور گورو جنوں کو آگیا سے باقاعدہ اُس سے شادی کرتا ہے۔ اس میں باجے بجتے ہیں مٹھائی بانٹی جاتی ہے دونو طرف کے لوگ پرسن ہوتے ہیں۔ مگر ایک دوسرا نوجوان اپنی اس واسنا کو پورا کرنے کے لئے بغیر کسی کی سمتی کے خود بخود کسی نوجوان لڑکی کو لے بھاگتا ہے۔ خود چور اور ڈاکو بنتا ہے دونو طرف کے لوگوں کو ناراض کرتا اور راج کرم چاریوں کے ڈنڈ کا پاتر بنتا ہے یہاں بھی پہلا مارگ سچا اور سیدھا ہے دُوسرا جھوٹا اور ٹیڑھا۔

اسی لئے رشی نے کسی ایک مُنش کے لئے نہیں بلکہ ہمارے سنسار میں دھرم اور شانتی کے پرچار کے لئے جہاں یہ کہا کہ پرتیک کام دھرمانوسار کرنا چاہیئے وہاں مُنش کو اُن گہرے گڑھوں سے نکالنے کے لئے جو اندھ وشواس کے کارن کلپت دبناوٹی، دھرموں کے نام پر کھودے جاتے ہیں، دھرم کی ویاکھیا کرو دی ارتھات ست اور است کو بچار کر کرنا چاہیئے۔ یہی مُنش کا منشتو ہے۔

اس بات کو یاد رکھیں کہ مُنش جیسا سوچتا ہے ویسا کرتا ہے، جیسا کرتا ہے ویسا بنتا ہے اور جیسا بنتا ہے ویسا ہی اوروں کو بناتا ہے اسی لئے کہاوت ہے کہ انسان جیسا چاہتا ہے ویسا بن جاتا ہے۔ پرماتما ہمیں شکتی دیں کہ ہم اس نیم کی کسوٹی پر اپنے آپ کو مُنش ثابت کر سکیں۔

ہمارا مُدّعا

(۶)

سنسار کا اُپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ اُدیش ہے ارتھات شاریرک، آتمک اور سماجک اُنتی کرنا (آریہ سماج کا نیم نمبر ۶)

سماج کا ہے مُدّعا جہان بھر کی بہتری
ہر اک بشر کی ہر طرح ہر ایک شے پہ برتری

خُدا سے بے نیاز ہو بشر تو وہ بشر کہاں
جو اپنی جڑ سے ہو جُدا رہیگا وہ شجر کہاں

نہ کر سکے مقابلہ ہَوا کا جو، شجر نہیں
محال اُس کی زندگی کہ حاجتِ تبر نہیں

سماج نے جنم لیا تھا کام ہی کیونکہ اسلئے
ہے کام اُس کا مُدّعا مدام آپ کے لئے

نہ روح کی خبر تھی کچھ نہ ہوش تن بدن کا تھا
تھیں مجلسی خرابیاں ہمارے داغِ بدنما

سماج نے یہ دُور کیں سماج کا یہ کام تھا
مفادِ دہر کے لئے کہ اُس نے تھا جنم لیا

(طالب چکوالی)

انفرادی اور مجموعی بہبودی کا راز

شری مان لالہ گوبند رام جی کھنہ ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور پریسیڈنٹ آریہ سماج انار کلی لاہور

آریہ سماج کا چھٹا نیم ان الفاظ میں ہے:-

"سنسار کا اپکار کرنا آریہ سماج کا مکھ ادیش ہے۔ ارتھات شاریرک، آتمک اور ساماجک اونتی کرنا"۔

ہم اس نیم کا وچھید اس پرکار کر سکتے ہیں۔

۱ آریہ سماج کا مکھیہ ادویش اوپکار کرنا ہے

۲ یہ اوپکار سارے سنسار کے لئے ہے۔ کسی خاص دیش یا جاتی تک محدود نہیں

۳ اوپکار کرنے کے یہ معنی ہیں کہ سنسار میں جتنے منش ہیں اُن کو ہر سہ پہلوؤں یعنی جسمانی، روحانی اور مجلسی پہلو میں زندگی کی ترقی کا راستہ دکھلایا جائے۔

ہم اُن عناصر پر ایک ایک کر کے بحث کرینگے۔

(۱) آریہ سماج کا جنم اس لئے ہوا کہ وہ اس بات کی تلقین کرے کہ انسان کا اعلےٰ فرض دوسروں کی بھلائی کرنا ہے اسلئے نویں نیم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کسی شخص کو صرف اپنی ترقی پر قناعت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اوروں کی ترقی میں اپنی ترقی سمجھنا چاہئے۔

ہندوؤں کی فلاسفی زیادہ تر انفرادی ترقی اور خصوصاً انفرادی روحانی ترقی پر

زور دیتی رہی ہے۔ ایک پارسا اور نیک ہندو اپنا معیار یہی سمجھتا رہا ہے۔ کہ وہ گوشہ نشینی اختیار کر کے ایشور کا دھیان کرے تاکہ وہ سب دکھوں سے خود آزاد ہو سکے ہندوؤں کے اندر یہ خیال ہمیشہ جاگزین رہا ہے کہ سنسار کے کانٹے سمیٹنے کی بجائے ہر ایک آدمی خود پاؤں میں جوتی پہن لے تو اس کے لئے ساری دنیا چمڑے سے مڑھی ہوئی ہو جائے گی۔

کبیر کا وہ مقولہ بڑا دل پسند رہا ہے جس میں اس نے کہا

"کبیرا تیری جھونپڑی گل کٹین کے پاس
جو کرن گے سو بھرن گے تُو کیوں بھیا اُداس"

اس مقولہ میں توجہ اسبات کی طرف دلائی گئی ہے کہ انسان خود نیک بنے دوسروں کی بدی سے دل کو بے چین کرنے کی کیا ضرورت۔

یہ نقطۂ نگاہ دراصل غلط ہے۔ اگر ہم وچار کر کے دیکھیں تو یہ صاف عیاں ہو جائیگا کہ انسان ایک مجلسی حیوان ہے کسی ایک فرد کی زندگی کو ہم دوسرے کی زندگی سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ انسان ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہیں۔ جس طرح رسی کے مختلف تاگے جن سے چارپائی بنی ہو۔ یا جس طرح ایک زنجیر کی کڑیاں ایک تاگے کے ٹوٹنے سے ساری بُنت کمزور ہو جاتی ہے انگریزی میں مقولہ ہے کہ زنجیر کی طاقت اُس کی سب سے کمزور کڑی کے برابر ہے۔ اگر ایک کڑی کمزور ہو اور ٹوٹ جائے تو زنجیر قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندو سوسائٹی اسی غلطی کا شکار رہی ہے کہ انفرادی ترقی میں سب کچھ ہے۔ یہی خیال ان کے طریقۂ عبادت میں نمودار رہا ہے۔ اکیلا سندھیا کرنا۔ ایکانت میں یوگ ابھیاس کرنا۔ اکیلا دھارمک پستکوں

کا سواد ھیائے کرنا وغیرہ ۔

پہلے پہل مہاتما بُدھ نے اس غلطی کو محسوس کیا اور اُس پر یہ اُصول روشن ہُوا کہ انسان بذات خود کمزور ہے اکیلا ترقی کرنا اُس کے لئے ناممکن ہے ۔ جب تک ساری جماعت یا سوسائٹی ترقی نہ کرے ایک فرد کی ترقی کا دائرہ محدود رہتا ہے ۔ اس لئے مہاتما بُدھ نے نہ صرف اپنے بھکشو سے عہد لیا کہ وہ کہیگا کہ میں ”دھرم کی شرن کو پراپت کرتا ہوں“ بلکہ یہ کہ ”میں سنگھ یعنی جماعت کی شرن میں جاتا ہوں“ یُونان کے سب سے بڑے فلاسفر ارسطو نے ایک نیک انسان کی یہ تعریف کی تھی کہ نیک انسان وہ ہے جو ایک نیک قوم کا ممبر ہو ۔ یعنی اُس کی رائے میں بھی افرادی نیکی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ساری جماعت نیک ہو ۔ ہماری نیکی اور بُرائی کا اکثر ہم تک محدود نہیں یہ باقی لوگوں پر جو ہمارے تعلق میں آتے ہیں اثر کرتی ہے ۔ سوامی دیانند جی مہاراج نے اسی لئے آریہ بھائیوں کے لئے یہ اُودیش قائم کیا کہ وہ اوروں کی بہبودی میں ہمہ تن کوشاں ہوں کیوں ؟ سب کی بہبودی میں افرادی بہبودی پنہاں ہے ۔ سماج میں مل کر ست سنگ کرنا اور خاص اکٹھے مل کر سندھیا ، پرارتھنا کرنا اسی غرض سے ضروری بتلایا گیا ہے ۔ مسلمانوں کی نماز جمعہ کی تہ میں یہی خیال پایا جاتا ہے ۔

آریہ سماج کے اُپکار کا دائرہ محدود نہیں وسیع ہے ۔ آریہ سماج کا جنم اس لئے نہیں ہوا کہ وہ صرف کسی وشیش جاتی کی سیوا کرے ۔ وید ایک ایشور کو سب کا پتا بتلاتے ہیں ۔ اس لئے سوامی جی کے سامنے ایشور سب کا پِتا ہونے اور منشوں کا آپس میں بھائی ہونے کا بھاؤ موجود تھا ہمیں صرف ہندو بھائیوں ہی کو

انند دھرم پرچار کرنے پر قناعت نہیں کر لینی چاہئے بلکہ ہمارا فرض تو یہ ہے کہ سارے جگت میں مہان ایشور کا نام اوجل کریں اور ویدک سبھیتا کو پھیلائیں۔ ہمارے سامنے ویدوں نے خود آدرش قائم کر دیا

इन्द्रं वर्धन्तो कृण्वन्तो विश्वमार्यम् अपघ्नन्तो

انند والیشور) کے نام کو جگت میں پھیلائیں۔ سارے وشو کو آریہ بناتے ہوئے اور سب وگھنوں کو راستہ سے ہٹاتے ہوئے۔

اس وقت آریہ سماج کا نام صرف ہندوؤں تک محدود ہے اور وہ کام بھی زیادہ دو ہی صوبہ جات میں ہو رہا ہے، یعنی پنجاب اور یُوپی میں۔ آریہ سماج کو چاہئے کہ ایسا انتظام کرے ہندوستان کا کوئی صوبہ نہ ہو جس میں کافی تعداد میں آریہ مشینری کام نہ کرتے ہوں۔ اور دیگر ممالک میں بھی وہ اپنے مشنری بھیجے۔ ہمیں اس بات میں احمدیوں سے سبق لینا چاہئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم اُپکار کس بات میں سمجھتے ہو؟ بھلائی اور ترقی کیا چیز ہے؟ اس نیم میں سوامی جی مہاراج نے واضح کر دیا ہے کہ وہ اُنتی اُنتی کہلانے کے لائق نہیں ہے جس کے تین پہلو نہ ہوں۔ کوئی انسان مکمل نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اُسے کامل خوشی یا انند پراپت ہو سکتا ہے اگر اُس کا جسم تندرست اور مضبوط نہ ہو اگر اُس کی آتما بل وتی نہ ہو اور اُس کے اوگرد سوشل گرد ہوائی برائیوں سے مُبرا نہ ہو۔ سوامی جی سے پہلے کسی مہاپُرش کو مکمل انسانی جیون کا دھیان نہیں آیا۔ بدھ نے صرف اخلاقی اُنتی پر ہی زور دیا مگر سوسائٹی سے کنارہ کشی کا اُپدیش دیا۔ شنکر سوامی نے صرف آتمک اونتی پر زور دیا اور یہ کہہ کر کہ ऋते ज्ञानान्न मुक्तिः

بغیر گیان کے مکتی نہیں ہوسکتی۔ سنسار سے ورکتی انسانی زندگی کا سب سے اعلےٰ معیار ٹھیرایا۔

نتیجہ یہ ہؤا کہ جہاں ہندوستان میں انسانی دماغ کی ترقی تو ہوگئی مگر جسم کی طرف سے اتنی لاپرواہی ہوئی کہ ہندو جسمانی طور پر نہایت کمزور ہو گئے۔ یہاں تک کہ اپنی حفاظت کی طاقت بھی کم ہوگئی اور وہ بیرونی حملہ آوروں کے پاؤں کے نیچے روندے گئے۔ نانک اور اُس کے بعد گوروؤں نے پنجاب میں۔ کبیر اور رامانج نے یُو۔پی میں اور چیتن وغیرہ نے بنگال میں بھگتی پر ہی زور دیا۔ ان سب خیالات نے انسان کو ادھورا رکھا وہ خود ایک مکمل زندگی کے نمونہ تھے۔ ان کے جسم کو دیکھو کیسا گرانڈیل اور مضبوط۔ ان کی آتما کو دیکھو کیسی نڈر اور نہ جھکنے والی۔ ان کا دماغ کیسا صاف اور منور۔ ان کے علم کو دیکھو کہ کوئی ایسی سوشل اور پولیٹیکل بُرائی نہیں جس کے سدھار کا طریقہ انہوں نے نہ بتلایا ہو۔ شاریرک اونتی کے لئے انہوں نے برہم چریہ، دیایام وغیرہ کا اُپدیش دیا۔ آتمک اونتی کے لئے سوادھیائے، یم نیم، آدی سکھلائے۔ اور ساماجک اونتی کے لئے اچھوت اُدھار، شدھی کا راستہ ہمارے لئے کھولا۔ جھوٹے جات پات کے بندھنوں کو توڑ تاڑ کے دھر دیا۔ دیش اُنتی کے لئے بھی سودیشی کا اُپدیش دیا۔ اور سوراجیہ پراپتی کو ہمارا ادویش ٹھیرایا۔ اس لئے کوئی آریہ سماجی آریہ کہلانے کے مستحق نہیں جو کمزور ہو اور ورزش کو اپنا نت دھرم نہ سمجھتا ہو جو شاستروں سے ناواقف اور سندھیا بندھن اور سوادھیائے سے جی چُراتا ہو۔ اور بزدل دیش دروھی ہو اور ملکی خدمت کے لئے صف اوّل میں کھڑا ہونے سے جھجکتا ہو۔

کچھ سوالات پیدا ہوں گے - وہ سوچے گا کہ یہ کس کا ہے؟ یہاں کیوں رکھا ہے؟ مجھے کھانا چاہیئے یا نہیں؟ اگر کھاؤں گا تو کوئی پکڑ تو نہ لے گا؟ وغیرہ وغیرہ کیونکہ وہ منش ہے - آریہ دھرم کے مطابق منش کا یہ کرم تو یہ ہے کہ وہ ہر ایک کام کرنے سے پہلے دھرم، ادھرم - پاپ، پن - ہت یا اہت کا بچار کر کے کرے یا نہ کرے - جو انسان بغیر اس بچار کے اندھ وشواس سے اپنی پیٹ پوجا کے لئے ہی کرم کرتا ہے اس میں اور جانوروں میں فرق نہیں ٭

وید بتلاتا ہے کہ بچارشیل منش کے لئے یہ بات سمجھنی آسان ہو جاتی ہے کہ ہر ایک اچھیا کی پورتی کے لئے سنسار میں دو متضاد راستے ہوتے ہیں :-

ایک سچا یا سیدھا، دوسرا جھوٹا یا ٹیڑھا - ان میں جو سچے اور سرل مارگ پر چلتا ہے وہ پھلتا پھولتا ہے اور پرمیشور اسی کی رکھشا کرتا ہے - اور جو چھوٹے اور ٹیڑھے مارگ پر چلتا ہے وہ نشٹ ہو جاتا ہے (رگ ۷ - ۱۰۴)

مثال کے طور پر ایک منش یہ چاہتا ہے کہ میں دھن پتی بنوں - دھنوان ہونا پاپ نہیں بلکہ منش جنم کے چار پدارتھوں میں سے ایک ہے - لیکن اس اچھا پورتی کے لئے ایک راستہ یہ ہے - کہ وہ کھیتی باڑی کرے، بیوپار کرے، نوکری کرے اور دھن کمائے - اور دوسرا مارگ یہ ہے کہ دن بھر چوپٹ کھیلے یا ٹانگیں پسار کر سو جائے اور رات کو کسی کا تالا توڑ کر دھن دولت اٹھا لائے اور اس میں پہلا راستہ سچا ہے اور دوسرا جھوٹا ٭

ایک نوجوان اپنی کام واسنا کو پورا کرنا چاہتا ہے وہ نیم کے مطابق کسی یوگیہ کنیا کی تلاش کرتا ہے اور گورو جنوں کو آگیا سے باقاعدہ اُس سے شادی کرتا ہے۔ اس میں باجے بجتے ہیں مٹھائی بانٹی جاتی ہے دونو طرف کے لوگ پرسن ہوتے ہیں۔ مگر ایک دوسرا نوجوان اپنی اس واسنا کو پورا کرنے کے لئے بغیر کسی کی سمتی کے خود بخود کسی نوجوان لڑکی کو لے بھاگتا ہے۔ خود چور اور ڈاکو بنتا ہے دونو طرف کے لوگوں کو ناراض کرتا اور راج کرم چاریوں کے ڈنڈ کا پاتر بنتا ہے یہاں بھی پہلا مارگ سچا اور سیدھا ہے دُوسرا جھوٹا اور ٹیڑھا۔

اسی لئے رشی نے کسی ایک مُنش کے لئے نہیں بلکہ ہمارے سنسار میں دھرم اور شانتی کے پرچار کے لئے جہاں یہ کہا کہ ہر ایک کام دھرمانوسار کرنا چاہئے وہاں مُنش کو اُن گہرے گڑھوں سے نکالنے کے لئے جو اندھ وشواس کے کارن کلپت (بناوٹی) دھرموں کے نام پر کھودے جاتے ہیں، دھرم کی دیاکھیا کر دی ارتھات ست اور راست کو بچار کر کرنا چاہئے۔ یہی مُنش کا منشتو ہے۔

اس بات کو یاد رکھیں کہ مُنش جیسا سوچتا ہے ویسا کرتا ہے، جیسا کرتا ہے ویسا بنتا ہے اور جیسا بنتا ہے ویسا ہی اوروں کو بناتا ہے اسی لئے کہاوت ہے کہ انسان جیسا چاہتا ہے ویسا بن جاتا ہے۔ پرماتما ہمیں شکتی دیں کہ ہم اس نیم کی کسوٹی پر اپنے آپ کو مُنش ثابت کر سکیں۔

ہمارا مُدّعا

(۶)

سنسار کا اُپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ اُدیش ہے۔ ارتھات شاریرک، آتمک اور ساماجک اُنتی کرنا۔ (آریہ سماج کا نیم نمبر ۶)

سماج کا ہے مُدّعا　　جہان بھر کی بہتری
ہر اک بشر کی ہر طرح　　ہر ایک شے پہ برتری
خُدا سے بے نیاز ہو　　بشر تو وہ بشر کہاں
جو اپنی جڑ سے ہو جُدا　　رہیگا وہ شجر کہاں
نہ کر سکے مقابلہ　　ہوا کا جو، شجر نہیں
محال اُس کی زندگی　　کہ حاجتِ ثمر نہیں
سماج نے جنم لیا　　تھا کام ہی کیو اسطے
ہے کام اُس کا مُدّعا　　مدام آپ کے لئے
نہ روح کی خبر تھی کچھ　　نہ ہوش تن بدن کا تھا
تھیں مجلسی خرابیاں　　ہمارے داغِ بدنما
سماج نے یہ دُور کیں　　سماج کا یہ کام تھا
مفادِ دہر کے لئے　　کہ اُس نے تھا جنم لیا

(طالب چکوالی)

انفرادی اور مجموعی بہبودی کا راز

شریمان لالہ گوبند رام جی کھنہ ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور پریسیڈنٹ آریہ سماج انارکلی لاہور

آریہ سماج کا چھٹا نیم ان الفاظ میں ہے :-

"سنسار کا اپکار کرنا آریہ سماج کا مکھ ادیش ہے۔ ارتھات شاریرک، آتمک اور ساماجک اونتی کرنا"۔

ہم اس نیم کا وچھید اس پرکار کر سکتے ہیں۔

۱ آریہ سماج کا مکھیہ اودیش اپکار کرنا ہے

۲ یہ اوپکار سارے سنسار کے لئے ہے۔ کسی خاص دیش یا جاتی تک محدود نہیں

۳ اپکار کرنے کے یہ معنی ہیں کہ سنسار میں جتنے منش ہیں اُن کو ہر سہ پہلوؤں یعنی جسمانی، روحانی اور مجلسی پہلو میں زندگی کی ترقی کا راستہ دکھلایا جائے ۔

ہم اُن عناصر پہ ایک ایک کر کے بحث کرینگے۔

(۱) آریہ سماج کا جنم اس لئے ہوا کہ وہ اس بات کی تلقین کرے کہ انسان کا اعلےٰ فرض دوسروں کی بھلائی کرنا ہے اسلئے نویں نیم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کسی شخص کو صرف اپنی ترقی پر قناعت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اوروں کی ترقی میں اپنی ترقی سمجھنا چاہیئے ۔

ہندوؤں کی فلاسفی زیادہ تر انفرادی ترقی اور خصوصاً انفرادی روحانی ترقی پر

زور دیتی رہی ہے۔ ایک پارسا اور نیک ہندو اپنا معیار یہی سمجھتا رہا ہے۔ کہ وہ گوشہ نشینی اختیار کر کے ایشور کا دھیان کرے تاکہ وہ سب دکھوں سے خود آزاد ہو سکے ہندوؤں کے اندر یہ خیال ہمیشہ جاگزین رہا ہے کہ سنسار کے کانٹے سمیٹنے کی بجائے ہر ایک آدمی خود پاؤں میں جوتی پہن لے تو اُس کے لئے ساری دُنیا چمڑے سے مڑھی ہوئی ہو جائے گی۔

کبیر کا وہ مقولہ بڑا دل پسند رہا ہے جس میں اُس نے کہا "

"کبیرا تیری جھونپڑی گل کٹین کے پاس

جو کرن گے سو بھرن گے تُو کیوں بھیا اُداس"

اس مقولہ میں توجہ اسبات کی طرف دلائی گئی ہے کہ انسان خود نیک بنے دوسروں کی بدی سے دل کو بے چین کرنے کی کیا ضرورت۔

یہ نقطۂ نگاہ دراصل غلط ہے۔ اگر ہم وچار کر کے دیکھیں تو یہ صاف عیاں ہو جائیگا کہ انسان ایک مجلسی حیوان ہے کسی ایک فرد کی زندگی کو ہم دوسرے کی زندگی سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ انسان ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہیں۔ جس طرح رسی کے مختلف تاگے جس سے چارپائی بنی ہو۔ یا جس طرح ایک زنجیر کی کڑیاں ایک تاگے کے ٹوٹنے سے ساری بُنت کمزور ہو جاتی ہے انگریزی میں مقولہ ہے کہ زنجیر کی طاقت اُس کی سب سے کمزور کڑی کے برابر ہے۔ اگر ایک کڑی کمزور ہو اور ٹوٹ جائے تو زنجیر قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندو سوسائٹی اسی غلطی کا شکار رہی ہے کہ انفرادی ترقی میں سب کچھ ہے۔ یہی خیال ان کے طریقۂ عبادت میں نمودار رہا ہے۔ اکیلا دھیا کرنا۔ ایکانت میں یوگ ابھیاس کرنا۔ اکیلا دھارمک پستکیں

کا سوادھیائے کرنا وغیرہ۔

پہلے پہل مہاتما بُدھ نے اس غلطی کو محسوس کیا اور اُس پر یہ اُصول روشن ہُوا کہ انسان بذات خود کمزور ہے اکیلا ترقی کرنا اُس کے لئے ناممکن ہے۔ جب تک ساری جماعت یا سوسائٹی ترقی نہ کرے ایک فرد کی ترقی کا دائرہ محدود رہتا ہے۔ اس لئے مہاتما بُدھ نے نہ صرف اپنے بھکشو سے عہد لیا کہ وہ کہیگا کہ میں "دھرم کی شرن کو پراپت کرتا ہوں" بلکہ یہ کہ "میں سنگھ یعنی جماعت کی شرن میں جاتا ہوں" یُونان کے سب سے بڑے فلاسفر ارسطو نے ایک نیک انسان کی یہ تعریف کی تھی کہ نیک انسان وہ ہے جو ایک نیک قوم کا ممبر ہو۔ یعنی اُس کی رائے میں بھی افرادی نیکی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ساری جماعت نیک ہو۔ ہماری نیکی اور بُرائی کا اثر ہم تک محدود نہیں یہ باقی لوگوں پر جو ہمارے تعلق میں آتے ہیں اثر کرتی ہے۔ سوامی دیانند جی مہاراج نے اسی لئے آریہ بھائیوں کے لئے یہ اُپدیش قائم کیا کہ وہ اوروں کی بہبودی میں ہمہ تن کوشاں ہوں کیوں؟ سب کی بہبودی میں افرادی بہبودی پنہاں ہے۔ سماج میں مل کر ست سنگ کرنا اور خاص اکٹھے مل کر سندھیا، پرارتھنا کرنا اسی غرض سے ضروری بتلایا گیا ہے۔ مسلمانوں کی نماز جمعہ کی تہ میں یہی خیال پایا جاتا ہے۔

آریہ سماج کے اُپکار کا دائرہ محدود نہیں وسیع ہے۔ آریہ سماج کا جنم اس لئے نہیں ہوا کہ وہ صرف کسی وشیش جاتی کی سیوا کرے۔ وید ایک ایشور کو سب کا پِتا بتلاتے ہیں۔ اس لئے سوامی جی کے سامنے ایشور سب کا پِتا ہونے اور منشوں کا آپس میں بھائی ہونے کا بھاؤ موجود تھا ہمیں صرف ہندو بھائیوں کے

انند دھرم پرچار کرنے پر قناعت نہیں کرلینی چاہئے بلکہ ہمارا فرض تو یہ ہے کہ سارے جگت میں مہاں ایشور کا نام اوجل کریں اور ویدک سبھیتا کو پھیلائیں۔ ہمارے سامنے ویدوں نے خود آدرش قائم کردیا

इन्द्रं वर्धन्तो कृण्वन्तो विश्वमार्यम अपघ्नन्तो

انند (ایشور) کے نام کو جگت میں پھیلائیں۔ سارے وشو کو آریہ بناتے ہوئے اور سب وگھنوں کو راستہ سے ہٹاتے ہوئے۔

اس وقت آریہ سماج کا نام صرف ہندوؤں تک محدود ہے اور وہ کام بھی زیادہ وہی صوبہ جات میں ہو رہا ہے، یعنی پنجاب اور یوپی میں۔ آریہ سماج کو چاہئے کہ ایسا انتظام کرے ہندوستان کا کوئی صوبہ نہ ہو جس میں کافی تعداد میں آریہ مشینری کام نہ کرتے ہوں۔ اور دیگر ممالک میں بھی وہ اپنے مشنری بھیجے۔ ہمیں اس بات میں احمدیوں سے سبق لینا چاہئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم اُپکار کس بات میں سمجھتے ہو؟ بھلائی اور ترقی کیا چیز ہے؟ اس نیم میں سوامی جی مہاراج نے واضح کردیا ہے کہ وہ اُنتی اُنتی کہلانے کے لائق نہیں ہے جس کے تین پہلو نہ ہوں۔ کوئی انسان مکمل نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اُسے کامل خوشی یا انند پراپت ہو سکتا ہے اگر اُس کا جسم تندرست اور مضبوط نہ ہو اگر اُس کی آتما بل وتی نہ ہو اور اُس کے اردگرد سوشل گرہ ہوائی براہیوں سے مُبرا نہ ہو۔ سوامی جی سے پہلے کسی مہاپرش کو مکمل انسانی جیون کا دھیان نہیں آیا۔ بدھ نے صرف اخلاقی اُنتی پر ہی زور دیا مگر سوسائٹی سے کنارہ کشی کا اُپدیش دیا۔ شنکر سوامی نے صرف آتمک اونتی پر زور دیا اور یہ کہہ کر کہ ऋते ज्ञानान्न मुक्तिः

بغیر گیان کے مکتی نہیں ہو سکتی۔ سنسار سے ورکتی انسانی زندگی کا سب سے اعلےٰ معیار ٹھیرایا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں ہندوستان میں انسانی دماغ کی ترقی تو ہو گئی مگر جسم کی طرف سے اتنی لاپرواہی ہوئی کہ ہندو جسمانی طور پر نہایت کمزور ہو گئے۔ یہاں تک کہ اپنی حفاظت کی طاقت بھی کم ہو گئی اور وہ بیرونی حملہ آوروں کے پاؤں کے نیچے روندے گئے۔ نانک اور اُس کے بعد گوروؤں نے پنجاب میں۔ کبیر اور رامانج نے یُو۔پی میں اور چیتن وغیرہ نے بنگال میں بھگتی پر ہی زور دیا۔ ان سب خیالات نے انسان کو ادھورا رکھا وہ خود ایک مکمل زندگی کے نمونہ تھے۔ ان کے جسم کو دیکھو کیسا گرانڈیل اور مضبوط۔ ان کی آتما کو دیکھو کیسی نڈر اور نہ جھکنے والی۔ ان کا دماغ کیسا صاف اور منور۔ ان کے علم کو دیکھو کہ کوئی ایسی سوشل اور پولیٹیکل بُرائی نہیں جس کے سدھار کا طریقہ انہوں نے نہ بتلایا ہو۔ شاریرک اونتی کے لئے انہوں نے برہم چریہ، دیایام وغیرہ کا اُپدیش دیا۔ آتمک اونتی کے لئے سوادھیائے' یم نیم' آدی سکھلائے۔ اور سماجک اونتی کے لئے اُچھوت اُدھار' شدّھی کا راستہ ہمارے لئے کھولا۔ جھوٹے جات پات کے بندھنوں کو توڑ تاڑ کے دھر دیا۔ دیش اُنتی کے لئے بھی سودیشی کا اُپدیش دیا۔ اور سوراجیہ پراپتی کو ہمارا ادویش ٹھیرایا۔ اس لئے کوئی آریہ سماجی آریہ کہلانے کے مستحق نہیں جو کمزور رہے اور ورزش کو اپنا نت دھرم نہ سمجھتا ہو جو شاستروں سے ناواقف اور سندھیا بندھن اور سوادھیائے سے جی چُراتا ہو۔ اور بزدل دیش ورودھی ہو اور ملکی خدمت کے لئے صف اوّل میں کھڑا ہونے سے جھجکتا ہو ۔

محبّت

(۷)

سب سے پرتی پوروک، دھرما نوسار، نبھایو گیہ برتنا چاہئے (آریہ سماج کا نیم نمبر۷)

محبت سے قیام دہر کی ضامن زمانے میں
جھلک اُسکی نمایاں ہے فلک کے دانے دانے میں

زمیں کا ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ آب دریا کا
کہانی اُسکی کہتا ہے نظامِ شمسیِ دُنیا

ہمیں ہر اک کو لازم ہے محبت سے محبت ہو
خدا کو جس سے رغبت ہو ہمیں کیوں اُس سے نفرت ہو

جو انسانوں میں ہو الفت کی یوں ہی کارفرمائی
نظر آئیں جہاں میں ہر طرف اُلفت کے شیدائی

کہیں فردوس سے بڑھ کر ہمارا خاکداں ہو پھر
دہے بیت الحزن دُنیا نہ پھر باغِ جناں ہو پھر

محبت کر محبت کر، جبھی ارشاد ہوتا ہے
کہ اس کے دم سے ہر ناشاد بھی دلشاد ہوتا ہے

محبت کر ہر اک سے تو، بمنشائے دھرم لیکن
کریگا یوں، تو ہو ہانی کوئی تجکو نہیں ممکن

بتائیگا تجھے مذہب کہ کر ایسے نہ کر ایسے
محبت ان سے کر، مت بھول کر بھی پاس جا اُن کے

حدودِ اُلفت و نفرت دھرم تجکو بتائے گا
اگر ہوگا کوئی خطرہ تو یہ تجکو بچائے گا

دکھائیگا تجھے یہ راہِ الفت رہنما ہو کر
رتری تاریکیاں روشن کریگا یہ دیا ہو کر

بڑھانا کس سے رشتہ ہے کہاں تک کس سے ہٹنا ہے
کہاں بڑھنا ہے طالب کو کہاں اسکو سمٹنا ہے

(طالب چکوالی)

معاشرتی زندگی کا راز

دیوتا سروپ شری پیارن بھائی پرمانند جی ایم۔اے۔ایم۔ایل۔اے۔ مالک "ہندو" لاہور

اس دُنیا کو گلستان بنانا یا کانٹے دار جھاڑیاں بنانا ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ یہ دُنیا مایا کا رُوپ ہے اُسے جیسا ہم چاہیں بنا سکتے ہیں۔ ہمارا دل ایک آئینہ ہے۔ جس پر کیمرا کے شیشے کی مانند اس دُنیا کا عکس پڑتا ہے۔ اگر یہ آئینہ محبت کا بنا ہوگا تو اس پر تمام دُنیا محبت کے رنگ میں ظاہر ہوگی اگر یہ نفرت کا بنا ہے تو دُنیا کی تصویر نفرت آمیز رنگ لئے ہوئے ہوگی۔ دُنیا کو بدلنے کے لئے دو مختلف ڈھنگ ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہم اپنی تمام طاقت بُرائی کے اکھاڑے میں لگا دیں پھر بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے یا نہ۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل سے بُرائی کو نکال دیں تمام دُنیا ہمیں اچھی دکھائی دینے لگے گی۔ یہ دوسرا ڈھنگ آسان ہے۔ اور یقینی ہے۔

آریہ سماج کے ساتویں اصول کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ یہ ہے کہ ہم سب سے پریتی پوروک برتنا چاہئے۔ یہ پریت ہی تمام سُکھ کی بُنیاد ہے۔ اس پریت کے پرچار ہی سے دُنیا سورگ سمان بن سکتا ہے۔ انسانی محبت ہی سماج کی ترقی کی بُنیاد ہے۔ انسانی محبت ایک قدرتی اور عالمگیر جذبہ ہے۔ انسانی [illegible] ہی [illegible] سچی

عبادت ہے۔ ایشور کی سب سے اعلےٰ بھگتی یہی ہے کہ ایشور کی سنتان سے محبت کی جائے اور اس کی سیوا کی جائے۔ ایشور کی اس بات کی ضرورت نہیں اور نہ اسے اس سے کچھ حاصل ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف یا خوشامد کریں۔ ایشور کا نام لینے سے اُسے کیا لابھ؟ اس کی بڑی خوشی اسی میں ہے کہ ہم اس کے بندوں کی خدمت کریں۔

مولانا روم نے ایک شعر لکھا ہے ؎

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یعنی دل کو ہاتھ میں لا۔ یہی اعلےٰ حج ہے۔ ہزاروں کعبوں کی نسبت ایک دل بہتر ہے۔ قاضیوں نے مولانا پر فتوے کفر لگا دیا۔ اور اُسے جواب دہی کے لیئے طلب کیا۔ مولانا نے اپنی حکایت اس طرح بیان کی۔ ایک بار میں کعبہ کو حج کرنے گیا۔ میں نے دیکھا کعبہ وہاں موجود نہ تھا میں نے دریافت کیا کعبہ کہاں ہے۔ مجھے بتایا گیا کعبہ اُس رُخ کو گیا ہے۔ میں اُسی جانب روانہ ہوگیا۔ دُور جاکر میں نے دیکھا کعبہ واپس آرہا ہے میں نے سوال کیا۔ تمام دُنیا تمہیں دیکھنے کے لئے آتی ہے تم اُدھر کیوں گئے تھے اُس نے جواب دیا ایک بوڑھیا ادھر کو آرہی ہے میں اُس کے استقبال کے لئے گیا تھا۔ میں کعبہ کو چھوڑ کر اس بوڑھیا کی طرف چلدیا۔ بوڑھیا کے بدن کے کپڑے پھٹے تھے، سر ننگا تھا۔ میں نے اس سے پُوچھا ماتا تم نے زندگی میں کون سے نیک کام کئے ہیں جنکی وجہ سے کعبہ خود تمہیں لینے کے لئے گیا ہے۔ وہ کہنے لگی میں نے کبھی کوئی بڑا کام نہیں کیا مجھے اتنی طاقت

ہی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کچھ بات تو ضرور ہے میں بن پوچھے نہ چھوڑوں گا۔
اس پر اُس نے اپنی کہانی بتائی۔ میں اس طرف آ رہی تھی۔ میں نے دیکھا ایک کُتا
کنوئیں کے اردگرد چکر لگا رہا ہے اور بڑی گھبراہٹ میں ہے میں نے سمجھا اس کُتے
کو پیاس لگی ہے۔ اس نے کنوئیں میں پانی دیکھا ہے اس لئے یہ اس کنوئیں
کے گرد بڑی بے چینی سے چکر لگا رہا ہے میں کنوئیں پر گئی وہ بڑا گہرا تھا۔ پانی بڑا
دور! میں اُس کی پیاس بجھانا چاہتی تھی مگر میرے پاس کوئی سامان نہ تھا میں نے
پتوں کا ایک ڈونا بنایا۔ اپنی چادر پھاڑ کر ایک ڈوری بنائی۔ اسے کنوئیں میں لٹکایا۔
لیکن یہ پانی تک نہ پہنچ سکی دوسرے کپڑے پھاڑ کر اور ڈوری بنائی پھر بھی پانی
دُور تھا۔ میں نے اپنے سر کے بال نکالے اور ان کی رسی بٹ کر ڈوری کے ساتھ
باندھ دی اور پانی نکال کر اُس کُتے کو پلایا۔ یہی ایک بھلا کام ہے جو میں نے اپنی
زندگی میں کیا ہے۔

اس لئے میں کہتا ہوں اگر کُتے کی پیاس بجھانا اتنی بڑی بات ہے کہ کعبہ کو
ایسا کرنے والے کے سامنے جھکنا پڑتا ہے تو کسی انسان کے دل کو قابو میں لانا
کتنی بڑی بات ہو گی۔ یہ وجہ تھی جس سے مجھے یہ شعر لکھنے کا خیال آیا۔

اگر ایک قوم دوسری قوم کو پریتی کی نظر سے دیکھنے لگے تو جنگ کا تمام امکان
جاتا رہے اگر سماج کے اندر لوگ ایک دوسرے کو محبت سے دیکھیں گے۔ تو سب
سُکھی رہیں گے۔ فرض کرو کچھ لوگ ہیں اور خاص مقدار دھن کی ہے انہوں نے
اس کو اپنے درمیان تقسیم کرنا ہے اگر وہ ایک دوسرے سے محبت کا برتاؤ رکھیں گے
تو اُن میں سے ہر ایک پہلے دوسروں کو ان کا حصہ پیش کرے گا۔ سب کو اپنا اپنا

حصہ بھی مل جائے گا اور سب کو اس برتاؤ سے خوشی کی بڑی بھاری مقدار حاصل ہو گی۔ برعکس اس کے اگر وہ ایک دوسرے سے دویش رکھتے ہوئے چالاکی کے ساتھ اپنا حصہ اور اس سے زیادہ لینے کی کوشش کریں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کھینچا تانی میں سب کو دُکھ ہوگا اور بہنوں کو اپنا حصہ بھی نہیں مل سکے گا۔ اس لئے ہر طرح سے یہی سِدّھ ہوا کہ سب کے ساتھ پریتی پوروک برتاؤ کرنا ہی اتی اوتم اصول ہے۔

دوسرا حصہ اور ہے۔ پریتی پُوروک برتاؤ ہو۔ لیکن دھرم انوسار ہو۔ ایسی پریت کی جائے جو دھرم کے خلاف نہ ہو۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں بہت سے لوگ ہیں جو ہمارے متر ہیں۔ ہمارے بھائی ہیں۔ بہت سے ہیں جو دشمن ہیں کئی ایسے ہیں جو نہ دوست ہیں نہ دشمن۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ دوست اور دشمن کے ساتھ ایک سی پریت کا برتاؤ کیا جانا چاہئے۔ جو شخص یا قوم اپنے دوست اور دشمن میں تمیز نہ کرتی ہو سب کے ساتھ ایک قسم کا برتاؤ کرنا چاہتی ہے۔ اُس کی پریتی دھرم کے مطابق نہیں کہلا سکتی۔ دشمن کے ساتھ سچی پریت اسی میں ہے کہ اُسے اتنا کمزور کر دیا جائے کہ وہ زیادہ دشمنی نہ کر سکے۔ دشمن کی بُرائی کا دھیان نہ کر کے اُسے زیادہ بُرائی کا موقعہ دینا اس کے ساتھ پریت کرنا نہیں بلکہ اُسے زیادہ دُشٹ بنانے میں امداد کرنا اور حوصلہ افزائی کرنا ہے یہ پریت نہیں بلکہ اپریت ہے۔

اب دشمنوں کے دو بڑے حصے ہیں۔ ایک وہ جو در اصل ہمارے اپنے ہیں اور ایسے ہی کسی چھوٹے موٹے کارن سے دشمن بن رہے ہیں۔ ایسے دشمن کے ساتھ اگر ہم پریتی کا برتاؤ کریں گے تو بلا شبہ اُس کی دُشمنی کو دُور کر دیں گے اور

ہمارا پریتی کا برتاؤ دھرم کے مطابق بھلائی کو بڑھانے والا ہو گا۔ لیکن دوسرے ایسے دشمن ہوتے ہیں جو کسی غلط فہمی سے نہیں بلکہ سبھاؤ سے ہمارے دشمن ہیں ایسے دشمن کے لئے پریتی کا برتاؤ ہماری کمزوری کی علامت ہے اور وہ ہمیں کھانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ کہا جاتا ہے پرتھوی راج نے کئی بار شہاب الدین کو شکست دی ایک بار تو اُسے گرفتار بھی کر لیا مگر اُس سے اتنا اقرار لے کر کہ وہ پھر کبھی ہندوستان پر حملہ نہ کرے گا، چھوڑ دیا پرتھوی راج کا یہ برتاؤ پریتی والا ہو تو ہو مگر دھرم انوسار نہ تھا۔ یہ پرتھوی راج کے دل کی کمزوری کی علامت تھی اس لئے سچی پریتی بھی نہیں کہا جا سکتا۔

بُدھ دھرم نے ایک بڑے بھاری نئے اصول کی تعلیم دی۔ وہ اصول یہ تھا کہ دشمن محبت سے جیتا جا سکتا ہے نہ کہ نفرت سے۔ مطلب یہ کہ اگر تم دشمن سے نفرت کرو گے تو وہ تم سے اور زیادہ نفرت کریگا پھر تم اور زیادہ کرو گے۔ اُس کی نفرت زیادہ بڑھیگی۔ اس طرح نفرت کرنے سے دشمنی کی آگ زیادہ ہی زیادہ بڑھتی جائے گی۔ اس آگ کے بجھانے کا طریقہ دوسرا ہے وہ یہ ہے کہ آگ پر پریم کا پانی ڈالو۔ یہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اسی اصول کو حضرت مسیح نے دوہرایا اور تعلیم دی کہ اگر کوئی شخص تمہارے دائیں گال پر طمانچہ لگائے تو بائیاں اُس کے سامنے کر دو۔ اس طرح اُس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور وہ تمہارا دشمن نہ رہے گا۔

یہ تعلیم ادھوری ہے اسے مکمل کرنے کے لئے اتنا اور سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اثر پہلی قسم کے دشمنوں پر ہو سکتا ہے یعنی ان لوگوں پر جو درحقیقت

تمہارے دوست ہیں اور پریتی کا برتاؤ کرنے والے ہیں لیکن کسی کا ان سے غلط فہمی کا شکار ہو کر تمہارے دشمن بنے ہوئے ہیں اس تعلیم کا اثر اُن لوگوں پر نہیں ہو سکتا جو فطرتاً تمہارے دشمن ہیں جن کو سنسکرت بھاشا میں نشٹھ کہا جاتا ہے نشٹھوں کے ساتھ نشٹھوں کا سا برتاؤ کرنا ہی دھرم ہے وہ ایسی جماعت ہوتی ہے جس کے دل میں پھیے کے بغیر کبھی پریتی پیدا ہی نہیں کی جا سکتی۔

اس کے علاوہ ایک بات اور ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص سادھو یعنی سنیاس یا برہمن ورتی اختیار کر لیتے ہیں ان کیلئے بودھوں کا اصول درست مانا جا سکتا ہے سادھو جماعت سے تعلق رکھنے والے اشخاص کا دھرم کچھ اسی طرح کا ہو جاتا ہے چنانچہ اسی بات کو ظاہر کرنے کے لئے ایک درشٹانت دیا جاتا ہے ایک سادھو دریا میں اشنان کر رہا تھا اُسنے دیکھا ایک بچھو ڈوبا ہوا دریا میں بہہ رہا ہے۔ بچھو نے سادھو سے کہا مجھے ڈوبنے سے بچاؤ سادھو نے اُسے پکڑ لیا جوں ہی وہ پانی سے نکلا اُسنے سادھو کے ہاتھ پر اپنا ڈنگ چلا دیا۔ سادھو نے اُسے پھر دریا میں پھینک دیا۔ بچھو چلانے لگا اور بچاؤ کے لئے درخواست کی سادھو نے اُسے پھر نکالا لیکن نکلتے ہی اُس نے دوبارہ ڈنگ لگا دیا۔ اس پر ایک شخص پاس سے گذر رہا تھا اُس نے سادھو سے کہا۔ تم کیا کرتے ہو بچھو کو تم بچاتے ہو وہ تم پر اپنا وار کرتا جاتا ہے سادھو نے کہا۔ کچھ بات نہیں۔ وہ اپنا دھرم کرتا ہے میں اپنا دھرم پورا کرتا ہوں۔

اس اصول کا ایک تیسرا حصہ ہے وہ یہ کہ پریتی سے سلوک ہو۔ دھرم انوسار ہو لیکن وہ یتھا یوگیہ ہونا چاہئے۔ یتھا یوگیہ پریتی کا مدعا یہ ہے کہ جو جس قسم کی پریتی کے یوگیہ ہو ویسا ہی اُس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے ایک ودیارتھی ہے وہ گورو کے پاس پڑھتا ہے اسکے ساتھ پریتی کے برتاؤ کے یہ معنی نہیں کہ اس کو اپنا کام کرنے یا نہ کرنیکی کھلی چھٹی دے دی جائے اس کے ساتھ اس پریتی کا اظہار کرنا اُسے بگاڑنا ہوگا اسکے ساتھ سچی پریتی وہ ہے جس میں اسکا ہت پایا جائے۔ دوسرے الفاظ میں اسکے ہت کیساتھ پریتی رکھتے ہوئے اسکے ساتھ برتاؤ کرنا چاہئے ❖

باپ کی پریتی بیٹے کیساتھ اس طرح کی ہونی چاہئے۔ جو اس کے یوگیہ ہے بیٹے کو باپ سے اس کے یوگیہ پریتی رکھنی ہوگی۔ ایک دوست کا اپنے دوست کیساتھ خاص پریتی کا برتاؤ ہوگا۔ حالانکہ عام لوگوں کے ساتھ پریتی کا برتاؤ ہو سکتا ہے لیکن اس پریتی کا نہیں جو مترکیساتھ ہونی چاہئے۔

ہندوؤں نے یتھا یوگیہ کا ارتھ بالکل غلط سمجھ رکھا ہے انہوں نے ہندو سماج کو بیشمار ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ذات پات کی دیواریں پیدا کر رکھی ہیں اور اپنے بیوپار کو مختلف حلقوں میں بانٹ ڈالا ہے کئی ایسے حلقے ہیں جنکے ساتھ ہندو شادی بواہ کا تعلق پیدا نہیں کر سکتے کئی ایسے ہیں جنکے ساتھ انکا کھان پان نہیں ہو سکتا کئی ایسے ہیں جنکے ساتھ چھونے سے بھی پرہیز کرتے ہیں اس قسم کی مصنوعی بیہودہ پابندیاں پیدا کر کے ہندو اسے یتھا یوگیہ بیوہار سمجھنے لگے ہیں ہمیں اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ جو شخص ان چھوٹی قیدوں میں پھنسا ہے وہ کبھی پریتی کے اصول کی اہمیت کو سمجھ نہیں سکتا۔ ایک شخص گرمی کے دن پیاس سے مرا جا رہا ہے اُسے اچھوت کہہ کر پانی پلانے سے پرہیز کرنا اس پریتی کی جڑ کو کاٹنا ہے جس پر سماج کی بنیاد کھڑی کی جا سکتی ہے۔

ایک عالمگیر محبت کے جذبہ کو پھیلانے کے لئے ہمیں یہ مصنوعی حد بندیاں توڑ دینی ہونگی کیونکہ یہ حد بندیاں ہمارے اصول کے راستہ میں بڑی رُکاوٹ ثابت ہو رہی ہیں۔ ایک کہاوت ہے ایک شخص پہاڑ پر سے آ رہا تھا۔ دُور سے اُس نے ایک جانور دیکھا جو اُسے بھوت سا معلوم ہوا۔ نزدیک جانے پر اُس نے دیکھا کہ وہ بھوت نہ تھا بلکہ آدمی تھا۔ جب وہ اُس کے بالکل نزدیک آ گیا تو اُسے معلوم ہوا کہ وہ اُس کا حقیقی بھائی تھا۔ اگر ہم بھی اپنی بنائی ہوئی پابندیاں دور کر کے دیکھیں گے تو جو لوگ اس وقت ہمیں اچھوت یا بہت بیگانے نظر آتے ہیں اپنے بھائی معلوم ہوں گے ❖

علم

(۸)

(اودیا کا ناش اور ودیا کی ورِدھی کرنی چاہئے (آریہ سماج کا نیم نمبر ۸)

کیا تاریکی ہے دُنیا میں؟ کیا جانیں کیا ہے عقبےٰ میں؟
کیوں ظُلمت سے ڈر آتا ہے؟ ڈر سے کیوں انساں ڈرتا ہے؟
کیا ہوگا، کیا تھا، کیا جانیں؟ جو کچھ کوئی کہہ دے مانیں!
جاہل کی قسمت ہیں ظُلمت عالم کی کوشش ہے قسمت!
ودیا جو نہ ہو تاریکی ہو دُنیا کی رنگت پھیکی ہو
عالم کے دَم سے ہے دُنیا جاہل ہے قسمت کا ہیٹا
جاہل کو اللہ سے کیا ہے ہاں عالم کو وُہ مِلتا ہے
ظُلمت، تاریکی، اندھیرا جب ہوتا ہے "میرا تیرا"
ودیا سے کلفت جاتی ہے عزت اور راحت آتی ہے
جو جاہل ہے، اُس کا دُشمن اُس کو سمجھو اپنا دشمن
ودیا کے پرکاشک بن کر
روشن کردو طالبؔ گھر گھر

(طالب چکوالی)

ودیا کا پرکاش اور اودیا کا ناش کرنا چاہیئے

عالم جلیل پنڈت وشوبندھو جی شاستری ایم اے۔ ایم او ایل پرنسپل وشویانند براہم مہا ودیالہ لاہور

مذہب یا سمپردائے محدود سے چند خیالات کو لے کر چلتا ہے۔ اُس کی نوعیت میں مزید اضافہ کانٹ چھانٹ یا ترمیم کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اُس کے مطابق اُن اصولوں، خیالوں اور وشواسوں کا گھیرا تمام علمیت کا پرم ست اور نچوڑ ہوتا ہے۔ وہ وہ سچائی ہوتی ہے جس کے سروپ میں کبھی بھی فرق واقع نہیں ہو سکتا۔ عالم کی پہچان یہ ہے کہ وہ اُس سچائی کو سچ سمجھے اور مانے۔ اس کے برخلاف جاہل اور بے علم وہ ہوگا جو اُس پر شک کی نگاہ سے نظر ثانی کرنے کو تیار ہوگا۔ وہ کافر اور بے ایمان سمجھا جائے گا۔ مذہبی سچائی ایک بار ہمیشہ کے لئے عالمِ کل کی طرف سے ظاہر ہؤا کرتی ہے۔

اس طریق پر آریہ سماج نہ مذہب ہے نہ سمپردائے۔ برخلاف اس کے یہ گیان، کرم، اور اُپاسنا کا دھرم ہے اس کا منشا منش ماتر کے دل میں ان تینوں فرائض کے متعلق شردھا پیدا کرنا ہے۔ کرم اور اُپاسنا گیان کے سورج کے طلوع ہونے پر ہی اچھی طرح سے چمکتے ہیں۔ کونسا کرم میری شخصیت اور میری سوسائٹی کے لئے مفید ہے اور کونسا غیر مفید جو کونسا کرم کسطرح کیا ہؤا مزید ترین فائدہ بخش ہو سکتا ہے۔ مجھے کس دیوتا کی کس بھاؤ سے اور

کس طریق پر پوجا اور اپاسنا کرنی واجب ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر سوالات کے حل کرنے کے لئے گیان کی از حد ضرورت ہے۔ اسی راز کو سمجھنے والے پراچین رشیوں نے آج سے ہزارہا سال پہلے اسبات کی قرار واد دی تھی کہ گیان کو پراپت ہوئے بغیر موکش یا نجات کا حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اسی بھاؤ سے پریرت ہو کر مہرشی دیانند سرسوتی نے ہر ایک آریہ سماج کے ذمہ یہ فرض لگایا ہے کہ اُسے وید کا سدا پرکاش کرتے رہنا چاہیئے۔

وِدیا کے پرکاش کے ساتھ ساتھ اودیا کا ناش ضروری طور پر ہوتا ہے۔ آج جس بات کو میں ٹھیک سمجھتا ہوں کل علمی معائنہ کے بعد وہ غلط معلوم پڑتی ہے۔ میرا فرض ہے کہ اُس غلطی کا انداد کروں۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہو اگر میں سکول کی کلاس میں تو جغرافیہ کا سبق دیتے ہوئے سورج گرہن کی بالکل طبعی تشریح کروں اور گھر پر آ کر اُسے خاص پاپ کا نتیجہ بتلا دوں اور اُس نمت سے دان پُن کروں تاکہ مخالف گرہ ٹل جائے۔ لیکن ہماری بدقسمتی سے ہر روز یہی بات ہمارے اپنے اور دوسروں کے عمل میں دکھائی دیتی ہے ہم وِدیا کو بڑھاتے تو ہیں مگر اودیا کا ناش نہیں کرتے۔ آریہ سماج اس بات کو ضروری سمجھتا ہے۔ یا اُسے یہ ضروری سمجھنا چاہیئے کہ جہاں تعلیمی درسگاہوں کے ذریعہ علمیت کو عوام تک پہنچاوے وہاں یہ بھی دیکھے کہ ہر ایک فرد بشر کے عملی جیون سے اودیا نکل جائے۔ متھیا وشواسوں اور جہالت کی باتوں کا عملی طور پر کھنڈن کرتے رہنے چاہیئے۔

گیان آتما کا بھوشن ہے۔ پرماتما کا گیان اننت ہے۔ منش کا لکھش پرماتما کے چرنوں میں پہنچنا ہے اسلئے اُسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ میں اُس مدعا کو گیان کی دوستی سے پورا کر سکتا ہوں۔ وید بھگوان اور دیگر آریہ شاستر وِدیا اور گیان کو ہمارا سچا مِتر اور

دوست بتاتے ہیں آریوں کے ہاں ودیا برکھش کا پھل زہر نہیں بلکہ امرت کہا جاتا ہے آریہ دھرم کا سب سے بڑا منتر گایتری منتر سمجھا گیا ہے سوچنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی بڑائی اُسکی تعلیم میں ہے۔ جو گیان کو بڑھانے اور ترقی کرنے کے متعلق اُن میں پائی جاتی ہے۔

ستیہ پرم دھرم ہے۔ ستیہ کا دوار ودیا سے کُھلتا ہے۔ اسلئے جو ستیہ کو گرہن کرنا چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ ودیا مندر میں داخل ہو کر اُس تعلیم حاصل کرے۔ آریہ دھرم کا شاستر "وید" کہلاتا ہے۔ وید کا مطلب کمل گیان ہے وہ پرماتما کی ذات میں موجود ہے۔ وہ انسان کے پاس نہیں ہے انسان کے حصہ میں سچائی کا ایک حصہ آتا ہے۔ اُسے واجب ہے کہ اُسے بڑھانے کا پرتین کرتا رہے۔ یہ آریہ سماج کی ترقی میں سد راہ ہو گی کہ ہمارے دل میں خیال پیدا ہو جائے کہ تمام سچائی اور تمام علم کا ٹھیکہ ہمارے نام ہو چکا ہے۔ یہ ابھیمان کی بات ہے اور سچائی سے کوسوں دُور ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہر وقت اپنی انسانی خامیوں کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے ہم اُن سے اُوپر اُٹھنے کا خیال کریں۔ سنسار میں ودیا کے بھنڈار کُھلتے چلے جا رہے ہیں۔ سائنس اور فلسفہ کے میدان میں نئی نئی باتوں اور کراستوں کا نت نیا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ ہر ایک آریہ سماجی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر نئے گیان کو دھارن کرنے اور ناط، بوسیدہ، جہالت کی باتوں کو سدھانت اور آچرن رُوپ سے نکالنے کے لئے سدا تیار رہے۔ اُسے یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہئے کہ میں تو سب سچ جان چکا ہوں۔ اور میرا فرض اب صرف دوسروں کے اندھکار کو دُور کرنا ہی باقی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا کام اپنی ودیا بڑھانا اور اپنی اودیا کو دُور کرنا ہے اگر ہم یہ کرتے رہیں گے تو دوسروں پر خود بخود اس بات کا پربھاؤ پڑے گا۔ چراغ کے نیچے اندھیرے والی بات کہیں ہم پر صادق نہ ہو جائے۔ اس بات کا سدا خیال رکھنا ترقی کے لئے از بس ضروری ہے +

اُنّتی

(۹)

پرتیک کو اپنی ہی اُنتی سے سنتشٹ نہ رہنا چاہئے کنتو سب کی اُنتی میں اپنی اُنتی سمجھنی چاہئے (آریہ سماج کا نیم نمبر ۹)

اپنی ہی بہتری ہو اوروں پہ برتری ہو
دُنیا میں سروری ہو
شہرت مری ہو تو کہ دولت مری ہو باندی
عزت مری ہو گھر گھر ہر اک جگہ ہو چاندی
بختِ سکندری ہو

بازار میں چلوں جب تعظیم اُٹھ کے دیں سب
ہوں منتظر کہ ہاں اب
ہوتی نظر اِدھر ہے اور ہم کو دیکھتے ہیں
تقدیر کی نظر ہے گویا سمجھ رہے ہیں
لیڈر کے ہوں سبھی ڈھب

یہ اور اس سے بڑھ کر ہم لوگ اور لیڈر
کہتے ہیں دل میں اکثر
اے دو جہاں کے مالک ہے عرض حال تجھ سے
مجھ کو بنا دے سالک سب پوچھیں راہ مجھ سے
احقر کو کر دے برتر

لیکن روا نہیں یہ ہرگز بجا نہیں یہ
کیا نا سزا نہیں یہ؟
اپنی ہی اُنتی کا خواہاں بشر ہوا ہے
غیروں کی بہتری کا حافظ فقط خدا ہے
عبرت کی جا نہیں یہ؟

مذہب مرا ہے کہتا طالب سنو خدا را
اوروں کی اُنتی کا
دل میں خیال رکھو اور اُن کی بہتری ہی
اپنی اگر سمجھ لو ہو اُنتی کسی کی
اور کام ہو تمہارا

(طالب چکوالی)

سب کی اُنتی میں اپنی اُنتی سمجھنی چاہئیے

تیاگ مورتی شریمان پنڈت مہر چند جی ایم۔ اے پرنسپل ڈی اے وی کالج جالندھر

انسان فطرتاً ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ اکیلا نہیں رہ سکتا۔ ملنساری اُس کی جبلی عادت ہے۔ اگر اُسے علیحدگی یا تنہائی میں رکھا جائے تو اس میں ایسی عادات پیدا ہو جاتی ہیں جو اُس کی ترقی میں مخل ہوتی ہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی جماعت کے متعلق بھی غور و فکر کرے۔ اکیلا انسان کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ فرض کیجیے کہ ایک انسان سچ بولنے کا عادی ہے اس کے ارد گرد جھوٹے لوگ ہیں۔ تو اُس کی ترقی میں رخنہ اندازی لازمی ہے۔ سوسائٹی کا اثر اس پر ضرور ہوگا۔ اس لئے اگر وہ چاہتا ہے کہ وہ اس میں ترقی کرتا رہے تو لازمی ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی کو بھی راست گوئی کا عادی بنانے میں کامیاب ہو۔ انسان کو کھڑا ہونے کے لئے ہموار جگہ کی ضرورت ہے۔ ایک چند گز اونچی جگہ پر شاید ساودھارن (معمولی) انسان کے لئے دیر تک کھڑا ہونا ناممکن ہو۔ مگر وہی انسان ہزارہا فٹ کی بلندی پر پہاڑوں پر دوڑ کود سکتا ہے۔ پہلی حالت میں صرف اُتنی جگہ ہی بلند ہے مگر دوسری حالت میں بلندی فراخ جگہ کے حصہ میں آئی ہے۔ اس لئے اُسے وہاں کوئی دقت یا مشکل پیش نہیں آتی۔ ٹھیک یہی

حالت سوسائٹی کی ہے ایک فرد لبشر تنہا ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا جب تک تمام سوسائٹی ترقی یافتہ نہ ہو۔ ہندوستانیوں میں مہاتما گاندھی جیسی بزرگ ہستیاں موجود ہیں مگر پھر بھی ہندوستان غلام کہلاتا ہے۔ کیونکہ جماعت کی ہمت فوق الکرامت ندارد۔

پرماتما نے ویدوں میں جو دھرم کا اپدیش دیا ہے وہ بھی اسی اصول کو ظاہر کرتا ہے۔ انسانی فطرت کے مطابق ویدک دھرم اس ضروری حصہ کو بڑی خوبی سے ظاہر کرتا ہے۔ عام طور سے پرارتھنائیں مجموعی طور سے پائی جاتی ہیں۔ دھرم کے اصول اسی کی تشریح کرتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں زندگی کے کسی حصہ و صیغہ میں اس اصول کو نظرانداز نہیں کیا گیا۔ ہندوؤں کی زندگی ایک اجتماعی زندگی ہوا کرتی تھی۔ اگرچہ ورن ویوستھا کے مطابق جاتی جماعتوں میں منقسم تھی۔ مگر ہر ایک فرد لبشر کا فرض ہوتا تھا کہ تمام جاتی کی اُنتی کے لئے کوشش کرے۔ اس اصول کے مطابق ہی ان لوگوں کی دھارمک و سوشل زندگی تھی۔

دھارمک زندگی میں براہمن کی زندگی سب سے اعلےٰ تھی۔ مگر وہ اپنی فضیلت سے ہی خوش نہ تھا۔ اس کا فرض تھا کہ وہ اپنی ارد گرد کی دُنیا کو اونچا اُٹھانے کی کوشش کرے۔ جب تک یہ حالت رہی ہندوستان ترقی کی راہ پر گامزن رہا مگر جب اس اصول کی پیروی نہ کی گئی تو دوسروں کی فلاح و بہبود کو بھی نظرانداز کیا گیا۔ پس نہ صرف برہمنوں کا ہی تنزل ہُوا بلکہ تمام جاتی ہی پستی کی تحت الثرا ے تک پہنچ گئی۔

سیاسی زندگی میں اس اصول کے مطابق ہی یہاں جمہوریت کے زرین

اصول کا جنم ہوا۔ سیاسی زندگی میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی خواہش کو مہیا کرنا سب سے بڑا فرض سمجھا جاتا تھا کوئی ریاست یا حکومت قائم نہیں رہ سکتی جب تک اس میں زیادہ سے زیادہ حالت میں خوشنودی رعایا اور نگہداشت حقوق کے سامان مہیا نہ کئے جاتے ہوں اس لئے یہ لازمی تھا کہ نظام حکومت میں ہر ایک شخص کا حصہ ہو۔ رعایا نہ صرف فرداً فرداً ترقی کی خواہشمند تھی۔ بلکہ اُن کی یہ بھی خواہش ہوتی تھی کہ ریاست بھی ترقی یافتہ ہو۔ اسی لئے حکومت میں ہر ایک شخص کا حصہ ہوتا تھا۔ تاکہ وہ تمام کی ترقی کے لئے کوشش کرتا رہے۔

اس اصول کے ماتحت ہندوستان ترقی کرتا رہا مگر جب اسے نظرانداز کیا گیا تو ہندوستان غلامی کی زنجیروں میں پابست ہوگیا۔ جب رعایا کا حکومت میں حصہ نہ رہا۔ جیسا کہ شیخ سعدی کے مصرعہ سے

رعیت چو بیخ است سلطان درخت

سے واضح ہے تو اُنہیں ریاست سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ وہ اپنی ہی ترقی کے خواہشمند رہ گئے۔ اُن کی روحیں ابنائے جنس کی طرف نظر ملتفت کرنے سے رُک گئیں۔ یعنی ان کے آتما اپنے سے باہر جانا بھول گئے۔ وہ خود غرضی کے گڑھے میں گرنا شروع ہو گئے۔ ہندوستان کی سیاست کا دیوالہ نکل گیا اور اس بڈھے بھارت نے وہ دن دیکھے کہ جن کے ذکر سے دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔

پس یہ عیاں ہے کہ بنی نوع انسان ایک دوسرے کے اعضا ہیں سے

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند   کہ در آفرینش زیک جوہر اند

جس طرح انسانی جسم تمام اعضا کے مجموعہ کا نام ہے اُسی طرح سوسائٹی

بھی انسانوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اگر انسانی جسم میں ایک جزو یا عضو زیادہ ترقی کر جائے اور دوسرے کمزور رہیں تو وہ حصہ بدنما ہو جاتا ہے اور اُسے جسم کا نقص قرار دیا جاتا ہے۔ جس جسم میں کوئی عضو دوسرے اعضاء سے زیادہ ترقی یافتہ ہو وہ جسم تندرست جسم نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح جس سوسائٹی میں ایک حصہ زیادہ ترقی یافتہ ہو وہ سوسائٹی زیادہ ترقی یافتہ نہیں کہلا سکتی۔ وہ حصہ اس سوسائٹی کا زیور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک بدنما دھبہ نظر آئے گا۔ وہ سوسائٹی جلد ہی تباہ ہو جائیگی اور اس ترقی یافتہ حصّہ کا بھی یہی حشر ہوگا اس لئے اس ترقی یافتہ حصہ کے لئے یہی ضروری ہے کہ وہ پس ماندہ حصّہ کی مدد کرے تاکہ سوسائٹی اپنے توازان اور صحیح معیار پر آجائے۔ اور باقاعدہ ترقی کر سکے۔

سوامی دیانندجی نے ایک ایسا قیمتی نسخہ تیار کیا ہے کہ جس کے استعمال سے ہندوستان اپنی کھوئی ہوئی شان و شوکت کو بڑی آسانی سے پا سکتا ہے۔

دھارمک زندگی میں یہ اصول ہمارے آتما کو پھیلاؤ اور ترقی کی طرف لے جاتا ہے۔ آتما کی تسلّی کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کا اپکار کیا جائے آتما کا دائرہ جتنا وسیع ہو گا اتنا ہی آتما ترقی کریگا حتیٰ کہ آتما اپنے آپ کو تمام سنسار کے ساتھ ملا دیگا اور پھر بمطابق اُپنشدوں کے ایکتو [illegible] کو دیکھ کر نہ اُسے شوک رہیگا نہ موہ۔ وہ پرماتما میں لین (جذب) ہو جائے گا یہی ویدانت ہے۔ یہی اُپنشد ہے، یہی وید ہے۔ یہی ہمارا دھرم ہے یہی ہمارا نصب العین ہے۔

سوشل زندگی میں یہ اصول ہماری جاتی کو ترقی کی طرف لے جائیگا جب تمام سوسائٹی اپنی زندگی اس اصول کے تابع بسر کریگی تو پھر قلیل عرصہ میں ہی سوسائٹی حیرت انگیز ترقی کر جائے گی۔ آپس کے جھگڑے یکدم دور ہو جائیں گے بغض و حسد دُنیا سے جلد جلا وطن کر دئے جائیں گے اور سوسائٹی کا بیش قیمت وقت انسانی خوشی کے حصول میں صرف ہوگا۔ آج حضرت انسان بغض و حسد میں پھنسے ہوئے اپنی طاقت اور وقت کو ضائع کر رہا ہے۔ وہ شائد اپنے دشمنوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا وہ اپنے آپ کو۔ اس کے زیر اثر انسان آج شیر سے گیدڑ بن رہا ہے۔ اگر آج سوسائٹی سوامی دیانند کے اصول پر کاربند ہو جائے تو سوسائٹی کے وقت اور طاقت میں اتنی کفایت ہو سکے کہ اُس کے استعمال سے علوم و فنون کی ترقی میں حیرت انگیز اضافہ ہو۔ سیاسی زندگی میں اگر اس اصول کا گذر ہو جائے تو آج دُنیا کی جنگ و جدل کا خاتمہ ہو جائے لیگ اوف نیشنز سوامی دیانند کے اس اصول کا پرچار کرتی ہے۔ کیونکہ اس وقت ایک ریاست دوسری ریاست کو ہضم کرنا چاہتی ہے دوسرے کو پیچھے پھینک کر ترقی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ریاستوں میں بھی ایک پارٹی دوسری پارٹی کو زیر کرنا چاہتی ہے اس اصول پر اگر کاربند ہو جائیں۔ تو سیاسی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔ جس میں غلامی کا نام و نشاں نہ ہوگا۔ جس میں پرماتما کے قدرتی اصول پر کام ہوگا۔ جس میں فارغ البالی اور خوشحالی حضرت انسان کی قدمبوس ہوگی۔ یہ اصول ایک خاص جاتی یا دیش کے واسطے نہیں بلکہ یہ تو یونیورسل (عالمگیر) اصول ہے جو ہر وقت

اور ہر جگہ عائد ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ رشی دیانند کی دور اندیشی اور فہم کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ ثبوت بھی (اگر ثبوت کی ضرورت ہو) پیش کرتا ہے کہ رشی دیانند نوع انسان کی بھلائی کے خواہشمند تھے اور آریہ سماج بھی اُن کے اصول پر کام کرتا ہوًا بنی نوع انسان کو ترقی کے راستہ پر لے جانا چاہتا ہے۔ یہی سچائی ہے۔ یہی وید ہے!

آریہ سماج کے نیتا اور کاریہ کرتا ہمیشہ اس اصول پر کاربند رہے ہیں۔ اپنی قربانی سے اُنھوں نے جاتی کو مالا مال کر دیا۔ مانند شمع اپنے آپ کو نچھاور کر کے دُنیا میں اجالا کر دیا۔ جب ان لوگوں کی زندگی میں یہ جادو نظر آیا تو لوگ ان کی طرف کھنچ آئے ان لوگوں نے آریہ سماج کے پرچار کو چار چاند لگائے۔ یہ ان لوگوں ہی کے طفیل ہے کہ آج آریہ سماج اتنا ترقی یافتہ نظر آتا ہے مگر جب کبھی آریہ سماج کے کاریہ کرتاؤں میں اس کی کمی واقع ہو جاتی ہے تو آریہ سماج ٹھٹھرتا نظر آنے لگتا ہے ایشور کرے کہ آریہ سماج کا ہر سبھاسد اس اصول کا پیرو کار بنے۔ اور اپنی قربانی سے بنی نوع انسان کی بھلائی کرنے کی کوشش کرے ؞

آزادی

(١٠)

سب منشیوں کو ساماجک سروہتکاری نیم پالنے میں پرتنتر رہنا چاہئے اور ہر ہتکاری نیم میں سب سوتنتر رہیں

(آریہ سماج کا نیم ١٠)

ذاتی کاموں میں انسان ہے آزاد بنا، مختار ہوا
جو چاہے وہ بے شک کر لے، اس میں کب ہے انکار ہو
اپنی بہبودی کی خاطر، بے شک جو تُو چاہے کر لے
آخر اس سے دُنیا کو کیا، کوئی جی لے۔ کوئی مرے
کیوں نیکی سے ڈرتا ہے تُو۔ ڈر کیا ہے اچھے کاموں میں
عقبےٰ بھی دنیا بھی، ملتے ہیں دونو سستے داموں میں
تجھ کو کامل آزادی ہے کر لے جو کچھ کر سکتا ہے
تو اپنی دُھن کا پکّا رہ، تجکو کیا کوئی بکتا ہے
کیوں اپنی بہبودی کی خاطر تُو اوروں سے اُلجھے گا
کہسار پہ چڑھنا ہے جسکو، وہ کیا اُس سے ٹکّر لے گا؟
جب تک ہے ذاتی آزادی، آزادی ہی آزادی ہے
اوروں کو کیا اس سے مطلب، گھر میں ماتم یا شادی ہے

ملت کے کاموں میں لیکن ایسی باتیں ناممکن ہیں
آزادی، مطلق آزادی جیسی باتیں ناممکن ہیں
مجموعی نیکی کرنے کی خاطر نا واجب دُکھ دینا
لوگوں کو اس سے کیا حاصل، دُکھ کے بدلے میں سُکھ دینا
مرتا ہو جو کوئی اُس سے تو کب سچے سچ کہتے ہیں
سچ کہنے میں جو ہانی ہو، چپ رہتے ہیں دُکھ سہتے ہیں
ملت کی بہبودی میں اپنی آزادی کھو جاتی ہے
لیکن آخر یہ پابندی ہی آزادی ہو جاتی ہے
گلشن میں گُل بھی کانٹے بھی ہر اک سُو بکھرے ہوتے ہیں
پھولوں سے بھرتے ہیں دامن جو آنکھوں والے ہوتے ہیں

(طالب چکوالی)

(تحریر محمود امام الدین آوِیکے چیمہ ضلع سیالکوٹ)

بندھن کیا ہے؟

کوی ونود، وید بھوشن شریمان پنڈت ٹھاکر دت جی شرما موجد "امرت دھارا" مصنف متعدد کتب سیکریٹری آریہ پرتی ندھی سبھا لاہور

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آ کر تمام سنسار کو آزاد کرنے والے سوامی نے ہم کو بندھن میں ڈال دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ تم سرو ہتکاری نیم پالن کرنے میں آزاد نہیں ہو۔ مگر درحقیقت یہ سوامی جی مہاراج کی دُور اندیشی اور دیرگھ درشٹی کا پرمان ہے۔ جو لوگ آزادی اس میں سمجھتے ہیں کہ جو چاہیں جب چاہیں جیسے چاہیں کریں وہ پاگل ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم صرف شخصی باتوں میں آزاد رہ سکتے ہیں۔ سوسائٹی کے بندھن ہم کو پالنے ہی ہوں گے اور سب ایسی باتوں میں جو ہماری شخصیت تک محدود نہیں جن کا اثر اپنی سوسائٹی یا سماج یا منش سماج پر پڑتا ہم آزاد نہیں رہ سکتے۔ دونو کا فرق معلوم کرنا بڑا نازک ہے۔ اسی واسطے کرشن جی مہاراج بھی کہا ہے :۔

کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ اس میں بڑے بڑے وِدوان بھی چکرا جاتے ہیں"

عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ ہم خود اپنے نفع نقصان کو سوچ سکتے ہیں۔

ہم اپنے کام کرنے میں آزاد ہیں جو چاہیں کریں۔ ایک آدمی اپنے لڑکے کی شادی چھوٹی عمر میں کر کے بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے اپنا نفع اس میں سمجھا ہے دوسروں کو اعتراض کرنے کا مطلب نہیں۔ مگر چونکہ اس کا اثر سوسائٹی پر پڑتا ہے دوسرے بھی دیکھا دیکھی ایسا کرنے لگتے ہیں۔ سوسائٹی کا بنایا ہوا ایک نیم بھنگ ہوتا۔ اس میں سب کی ہانی ہے اسواسطے وہ آدمی قابل سزا قصور ہوتا ہے۔

دراصل پرتیک ہنکاری نیم ہیں بھی تھوڑے۔ ایک آدمی بھکش پدارتھوں کے متعلق خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے کون کون چیزیں میں نہ کھاؤنگا اور باقی حسب ضرورت کھایا کرونگا مگر جس چیز کو سوسائٹی نے ابھکش قرار دیا ہے اس کو وہ نہیں کھا سکتا۔

تمہیں اختیار ہے۔ کہ جونسے کپڑے چاہو پہنو لیکن اگر سماج یہ فیصلہ کرے کہ یگیہ پر دھوتی پہن کر بیٹھنا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ تم خوشی سے اس کا پالن کرو۔ سوسائٹی کے نیموں کو بندھن خیال کرنا اور انہیں اپنی آزادی پر پابندی سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔

آجکل مہذب ممالک کی سوسائٹی میں تو اس قدر بندھن ہیں کہ ہمارے ہاں اُن کا عشر عشیر بھی نہیں پھر بھی وہ لوگ بڑے آنند سے اُن کا پالن کرتے ہیں تمام یورپ اور امریکہ میں ہی نہیں بلکہ دُنیا میں جہاں جہاں یہ لوگ ہیں اُن کا لباس، ان کے کھانے کا وقت ان کے کھانے کے قواعد ایک ہی ہیں۔ ہمارے ہاں ان سب باتوں میں گڑبڑ رہتی ہے۔ اسی واسطے ہم ان باتوں میں دُکھی رہتے ہیں۔

یورپین سوسائٹی کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی کام کے واسطے بہت سے آدمی آئیں تو وہ ایک دوسرے کے پیچھے کھڑے ہوتے جاتے ہیں۔ ہر ایک باری سے کام کرتا ہے مغربی ممالک میں اسٹیشن پر اور تھیئیٹروں میں کتنی کتنی لمبی قطاریں میں نے خود کھڑی ہوئی دیکھی ہیں۔ کہیں دھینگا مشتی کا نام تک نہیں ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے۔ کس طرح دھکے پڑتے ہیں۔ پگڑیاں اچھلتی ہیں اور شور و غل ہوتا ہے۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں سب لوگ اس کا تجربہ رکھتے ہیں۔ وجہ صرف یہی ہے کہ ہماری سوسائٹی میں ایسی باتوں کے لیئے ایسا کوئی نیم مقرر نہیں۔ بہرحال کسی ایسے نیم کا پالن عملی زندگی میں نہیں ہوتا۔ اس واسطے دھکم دھکا ہوتا ہے جو سخت بُرا اور بد تہذیبی کا نشان ہے

میں تو چاہتا ہوں کہ مغربی سوسائٹی کے جو بھی نیم مفید ہیں وہ سب ہمارے ہاں رائج ہوں اور ہم سب کو خوشی سے اُن پر چلنا چاہیئے۔ اسی میں دانائی اور اسی میں فائدہ ہے۔

شری سوامی جی مہاراج نے آریہ سماج کے نیموں میں اس نیم کو داخل کر کے ہم کو یہ ہدایت بھی کی ہے کہ آریہ سماج میں جو نیم سب کے فائدہ کے لیئے پاس ہوں، جن کا اثر سب پر پڑتا ہو۔ اُن سب نیموں کو بلا چون وچرا ماننا اور اُن پر عمل کرنا ہر ایک آریہ سماجی کا فرض ہوگا۔ لیکن جو نیم صرف تمہاری شخصیت کے ساتھ وابستہ ہیں، اور کسی سے اُن کا تعلق نہیں اُن میں تم خود مختار ہو۔ جیسے چاہو کرو بشرطیکہ کہ سوسائٹی اس کا اثر نہ پڑے۔ مثال کے طور پر تم اس میں مختار ہو کہ اپنے گھر میں کونسے اور کن قیمت کے برتن رکھنے ہیں الماری بھی درکار ہے یا نہیں۔ قد آدم آئینے دو ہوں یا چار گھر ہوں کا سامان رکھنا لازمی ہے۔ اس میں تمہیں یہ اختیار نہیں

کہ نہ رکھو۔ کیونکہ یہ سرو ہتکاری نیم آریہ سماج نے سب کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ اور تم پر اس کی پابندی لازمی ہے۔

اس نیم میں باریکی بہت ہے۔ سرو ہتکاری اور پرتنیک ہتکاری نیم میں فیصلہ کرنا آسان کام نہیں بعض اوقات یہ بڑا مشکل اور پیچیدہ سوال ہو جاتا ہے۔ لیکن جو بھی گر میں نے مختصراً اس مضمون میں بیان کئے ہیں اُن کے ذریعہ ہر ایک شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے۔

سوامی دیانند جی مہاراج کی ہدایات کو مشعل راہ ہدایت بنانے سے یہ تمام عقدے بہ آسانی حل ہو جاتے ہیں۔ سرو ہتکاری نیم پالن کرنا کوئی بندھن نہیں نہ اسے آزادی پر قید سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو نیموں کا بندھن آزادی دلانے کا سادھن ہے۔

عمل کا دیوتا

یا

مہرشی شری سوامی دیانندجی مہاراج سرسوتی بانیِ تحریک آریہ سماج

وقفِ تاراج خزاں تھا گلشنِ ہندوستاں		چھا رہی تھیں سر بسر بن کر گھٹا، بربادیاں
قسمتِ اغیار تھیں یا خندہ زن تھیں بجلیاں		رشکِ دوزخ تھا ہمارا غیرتِ باغِ جناں

جو چمن والے تھے کب اُنکو چمن کا ہوش تھا
ہوش تھا تن کا نہ کچھ اُن کو بدن کا ہوش تھا

وہ سمجھتے تھے خداؤں سے بھری ہے کائنات		بے سمجھ اُن کی پرستش میں سمجھ بیٹھے نجات
جیتے جی مرنا تصور کر لیا رازِ حیات		جب تھی یہ حالت تو پھر کیسی حیات اور کیا ممات

سامنے موجِ فنا آتی تھی مُنہ کھولے ہوئے
سر پہ شہبازِ اجل پہنچا تھا پر تولے ہوئے

حال تھا بدحال لیکن حال سے تھے بے خبر		عظمتِ ماضی کا تھا قصّہ زباں کی نوک پر
تھے کبھی زیرِ نگیں اپنے بڑوں کے بحر و بر		اہلِ عالم کو سکھاتے تھے وہی علم و ہُنر

بادۂ غفلت کی مستی سے بہت بدحال تھے
فاقہ مستی نے گئے خوشحال یہ کنگال تھے

اب فنا کر دینگے اُن کو، غیر تھے ٹھانے ہوئے		اُن کی بربادی کی دل میں منّتیں مانے ہوئے
ہر طرف فوجِ حوادث برچھیاں تانے ہوئے		جو دیار و باغ تھے اُن کے، وہ ویرانے ہوئے

غافلوں کے سر پہ آپہنچی تھیں افواجِ غنیم
جاہلوں کا تاج سر ہونے کو تھا تاجِ غلیم

اس پہ بھی اُن کو نہ کچھ احساس پستی کا ہوُا — مُردہ ہی تھے جو نہ کچھ احساس ہستی کا ہوُا
کب اثر اُن پر عیاں غفلت پرستی کا ہوُا — کب اثر اُن پر کسی کی چیرہ دستی کا ہوُا

عالمِ بالا کی رُوحیں دیکھ کر شرما گئیں
ان کو غیرت آگئی، غصہ سے وہ تھرا گئیں

رحمتِ باری نے جو دیکھا تو آئی جوش پر — کر دیا اس کام پر مامور اک ایسا بشر
جو فرشتوں سے نکوتر تھا، خطر سے بے خطر — قوم کی کایا پلٹ دی اُس نے آکر سر بسر

پاک طینت، نیک سیرت، صاف باطن مرد تھا
عالم و عامل تھا، انسانوں میں بیشک فرد تھا

پھونک دی مُردوں میں آکر روح، انسان کر دیا — پھر دیارِ مرگ میں ہستی کا ساماں کر دیا
اس خزاں دیدہ چمن کو گُل بداماں کر دیا — کیا کہیں کیسے ہر اک مشکل کو آساں کر دیا

کر دکھایا تو نے جو کہتے تھے ہو سکتا نہیں
تُو اکیلا اتنا کچھ کر لیگا، تھا کس کو یقیں؟

جب کیا ذوقِ عمل تُو نے رفیق و رہنما — ظلمتوں میں نورِ اللہ بن گیا روشن دیا
تیرا سینہ نُورِ دیدِ پاک سے پُر نُور تھا — تُو جہاں میں بن کے آیا تھا، عمل کا دیوتا

تُو سمجھتا تھا کہ دُنیا میں عمل درکار ہے
یہ وہ شے ہے جس سے انسانوں کا بیڑا پار ہے

کوئی مانے یا نہ مانے سب ترے ممنون ہیں — تھی ضیا تیری ہی جن سے اُنکے دل پُر نُور ہیں
اف! ریاکاری کے ہاتھوں کس قدر مجبور ہیں — بات دل کی لب پہ لا سکتے نہیں معذور ہیں

کام گننے میں مگر اُن کے زبانِ حال سے
ڈر سے جو کہتے نہیں طالب زبانِ قال سے

تمت

(طالب چکوالی)

(آہوجہ پرنٹنگ ورکس انار کلی لاہور میں باہتمام بابو امند سروپ پرنٹر چھپی)